پیال ساز

ایمل رضا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ایمل رضا

راکھ ہو گئیں سب بستیاں
در اندر ان گنت ہستیاں
بے طلب، بے وجہ کی یہ فیاضیاں
اک بہار ساز کی کرم سازیاں

اندھیاریاں اوڑھے آسمان سے لپک کر بجلی کا ایک کوندا پھسلا اور دھرتی کی سطح پر پھیل گیا۔ میدان کے وسط میں آگے برگد کے درخت نے اپنی جٹاؤں کو ساکت کر لینا چاہا تھا۔ اس کے بالکل سامنے کی قوسی سلاخ دار کھڑکی میں بوڑھے وجود کا چہرہ نمودار ہو گیا تھا۔ اپنے جھریوں بھرے چہرے کی ساری تاریکی لیے، وہ آسمان کو یوں تک رہی تھی جیسے اس میں چھید کر کے پار دیکھنا چاہتی ہو۔ اس کی ورا اوڑیں آنکھوں میں ہر طرح کی محبت کا جذبہ کافور ہو چکا تھا۔ اس نے اب اپنا ایک ہاتھ باہر نکال لیا تھا۔ سلاخ دار کھڑکی کی لکڑی پر کی گئی نقش و نگاری کو وہ یوں ٹٹول رہی تھی جیسے وہاں اس کا کچھ کھو گیا ہو۔ ان سب نقوش سے اس کی جان کاری ازلی تھی۔

یک لخت سناٹے میں رعد کی آواز پھر سے گونجی اور حشرات تک کے کانوں کو بہرہ کر گئی۔

سلاخ دار کھڑکی میں نصب پانچوں آہنی سلاخیں

مکمل ناول
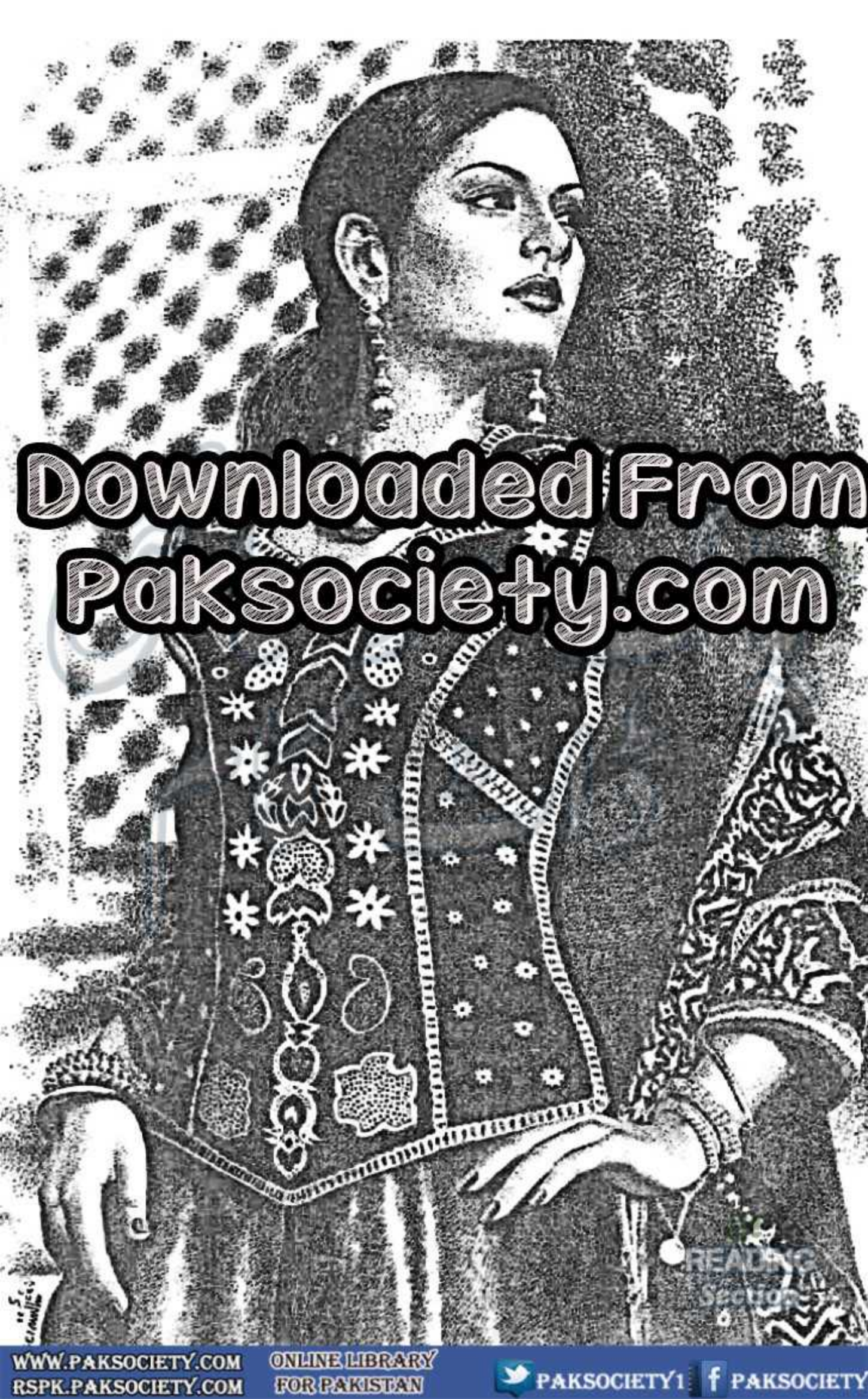
بجلی کی چمک میں واضح ہوئیں اور برگد نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لینے چاہے۔ بوڑھا وجود لازماً "اب کچھ بولنے والا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ چپ نہیں رہتی تھی۔ اور اسے بڑے عجیب و غریب ناموں سے پکارا کرتی تھی۔ پھر وہی ہوا جس کی برگد کو توقع تھی۔ بوڑھے وجود نے فلک پر نظریں گاڑے گاڑے اپنے کپکپاتے لب کھولے تھے۔

"چوبی درویش... او... نشان خدائی (برگد)۔

زلیخانی سے پوچھو... اس نے کیوں کہا... تھا... کہ... وہ رحمٰن ہے... رحیم ہے... باری ہے... ہادی ہے... عادل ہے انصاف کرنے والا" پوچھو اس مکار ن سے..." یہ آواز غم کی نمی سے رندھی ہوئی تھی۔

برگد نے جٹاؤں کو اپنے سینے پر باندھ لیا اور نظروں سمیت سر بھی جھکا لیا۔ یہ پیغام نیا نہیں تھا۔ وہ پچھلے تیس سالوں سے ایسے ہی پیغامات کو سنتا چلا آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

الارم بجنے سے بہت پہلے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ پسینے میں... سائیڈ لیمپ جلا کر اس نے ٹائم دیکھا پانچ بج چکے تھے۔

"نانو یقیناً" اٹھ چکی ہوں گی اور فجر کی نماز ادا کر رہی ہوں گی۔" اس نے اندازہ لگایا اور کھل کر انگڑائی لی۔ اسے پتا تھا کہ اب اسے نیند نہیں آئے گی۔ اس لیے باتھ روم سے نکل کر وہ باہر صحن میں چلا گیا۔

نانو نماز پڑھ چکی تھیں اور اب صحن کی لائٹ تلے چھوٹے میز پر بہت بڑے سائز کا مٹی کا گلدان رکھے اس پر پیلے رنگ میں رنگی "جوٹ" لپیٹنے میں مصروف تھیں۔ اس طرح کے جوٹ کے گولے کے بہت سے لچھے کھل کر ان کی گود اور پاؤں میں بکھرے ہوئے تھے۔

باسل کے قدموں کی آواز ان کے کانوں میں پڑی تو کام کرتے کرتے سر اٹھا کر انہوں نے اسے دیکھا تھا۔ پہلے وہ حیران ہوئی تھیں پھر ایک شفقت آمیز مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیلتی چلی گئی تھی۔ باسل سستی سے چلتا ہوا ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

"خیریت...؟ آج تم اتنی کیسے جلدی اٹھ گئے... مجھے لگا۔ یشار ہے..." لفظ تم پر زور تھا۔ وہ واقعی حیران ہوئی تھیں۔

"کیوں...؟ کیا میں جلدی نہیں اٹھ سکتا... کیا جلدی اٹھنے کا حق صرف یشار کو ہی ہے..." وہ نانو کی ذو معنی مسکراہٹ کو سمجھ رہا تھا۔

"یشار نے تو اٹھ کر بہت سارے کام کرنے ہوتے ہیں... وہ جاگنگ کرنے جاتا ہے' پھر آکر ایکسرسائز کرتا ہے... کلینک کا کام کرتا ہے۔ تم کیا کرو گے؟" نانو بدستور اسی طرح مسکراتے ہوئے اور برش سے گلدان کی سطح پر گوند لگاتے ہوئے بولی تھیں۔

"میں... میں وہ..." وہ گڑبڑایا۔ صبح تو دور' وہ سارا دن بھی کوئی قابل قدر' قابل ستائش کام نہ کرتا تھا اور یہ بات وہ خود بھی بخوبی جانتا تھا۔

"میں آپ کو دیکھوں گا نا... آپ سے آج یہ کام سیکھوں گا۔" وہ جوٹ لپیٹے گلدان کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

نانو نے ٹیڑھی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے جوٹ کے بل کھولے تھے اور گوند لگے حصے پر چپکا دی تھی۔

"سامان پیک کر لیا تم نے اپنا...؟" نانو نے پوچھا تو جیسے اسے کچھ یاد آگیا اور اس "کچھ" کے ساتھ اور بھی بہت کچھ... ایک دم ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور وہ ذرا غصے سے نانو کو دیکھنے لگا۔

"یہ زیادتی ہے نانو! سراسر زیادتی... یشار مجھ سے صرف دو سال ہی بڑا ہے۔ لیکن آپ اس کے سارے کام اس طرح کرتی ہیں جیسے یا تو وہ ابھی بچہ ہو یا بوڑھا ہو چکا ہو۔ اور اپنے سارے کام مجھے خود ہی کرنے پڑتے ہیں۔ میری دفعہ آپ مصروف ہوتی ہیں یا تھکی ہوئی ہوتی ہیں... بعض اوقات تو مجھے لگتا ہے کہ میں اس گھر کا بیٹا ہی نہیں... مجھے کسی کوڑے دان سے اٹھا کر لائے ہیں آپ لوگ۔" اس کے شکوے

پر نانو آگے سے ہنس دیں اور آخری بات پر تو ہنستی ہی چلی گئیں۔

"ہنسیے مت۔۔۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔۔۔ مجھے لگتا ہے واقعی ایسا ہی ہے۔"

"ایسے سنجیدہ سنجیدہ شکوے تو نہ کرو باسل۔۔۔ تم جانتے ہو مجھے تم دونوں سے کتنی محبت ہے۔ یشار پر بہت ذمہ داریاں ہیں۔۔۔ تم نہیں سمجھو گے تو اور کون سمجھے گا۔ وہ کلینک چلاتا ہے۔ لیکچرز دیتا ہے۔ ملکوں ملکوں۔ ورکشاپس اٹینڈ کرتا ہے۔ پھر اس کا مزاج بھی ایسا ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ اور اپنے سارے کام خود ہی کر لیتا ہے۔"

"تو مجھے نصیحت کہ اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالو۔۔۔ اور وہ کرے تو بے چارہ۔۔۔ واہ۔۔۔ سب کچھ وہ ہی کرتا ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں کرتا۔"

"اچھا بتاؤ کیا کیا کرتے ہو تم؟"

"کرکٹ کھیلتا ہوں۔ سوئمنگ کلب جاتا ہوں۔ اسنوکر کا بھی پلیئر ہوں۔۔۔ اس کے علاوہ گانے سنتا ہوں۔ فلمیں دیکھتا ہوں' کھانا کھاتا ہوں' نہاتا ہوں' کپڑے بدلتا ہوں۔ اتنے سارے کام کرتا ہوں میں۔۔۔ بھئی تھک جاتا ہوں۔ آخر کو میں بھی انسان ہوں۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ آپ کو شاپ سے لانے اور چھوڑ کر آنے کی ڈیوٹی بھی تو ادا کر رہا ہوں۔۔۔" وہ بولتا رہا اور نانو بنا رکے ہنستی رہیں۔

"ہاں۔۔۔ یہ آخری کام تو تم واقعی بہت اچھے طریقے سے نبھا رہے ہو۔"

"اور پچھلے دس سالوں سے۔۔۔" اس نے جتایا۔

نانو ابھی جوٹ کو سلجھانے لگیں۔ پھر برش سے گوند لگا کر انہوں نے گلدان پر جوٹ کو لپیٹنا' ایک ہفتے کے بعد وعدے کے مطابق اس گلدان کی سپلائی دینی تھی انہوں نے اس لیے وہ کام بڑی تیزی سے مگر نفاست سے کر رہی تھیں۔ نفاست اور پائیداری ان کی دکان کی پہلی پہچان تھی۔ "نگار خانہ" ہینڈی کرافٹس کے بڑے بورڈ والی ایک بہت وسیع دکان۔۔۔ جو انار کلی بازار کے وسط میں واقع تھی اور جسے نانو پچھلے دس سالوں سے بڑی کامیابی سے چلا رہی تھیں۔ بازار میں اس طرح کی صرف تین چار ہی اور دکانیں تھیں اور نانو کی دکان کا مال ان سب دکانوں سے زیادہ فروخت ہوتا تھا۔

نانو اس دکان کی مالک ہونے سے پہلے گھر سے قریب حبیب اللہ روڈ پر ہی موجود غزالی ہینڈی کرافٹس کی دکان پر بھی بارہ سال کام کر چکی تھیں۔ لیکن اس دکان پر وہ ایک ورکر اور ایک گائیڈ کی حیثیت سے کام کرتی تھیں۔ اسی جاب نے ان کے تجربے ان کے ہنر اور شوق کو مزید بڑھایا تھا۔ اسی لیے جب ان کے پاس کافی سرمایہ اکٹھا ہو گیا تو انہوں نے انار کلی بازار میں اپنی دکان خرید لی۔ اور اس دکان کا نام انہوں نے "نگار خانہ" رکھا۔

دستکاری' کندہ کاری اور چتر کاری کا شوق تو انہیں بچپن سے ہی تھا۔ مگر یہ کام کبھی ذمہ داری سمجھ کر بھی کرنا پڑے گا اس بات کا انہیں گمان تک نہ تھا۔ پھر بھی نانو بہت خوش اسلوبی سے یہ کام کر رہی تھیں۔ پچھلے پچیس سالوں سے اس کام سے منسلک رہنے کے باوجود وہ ابھی تک بور نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ وہ ہر دن پہلے دن کی طرح پرجوش ہوتی تھیں۔

دکان طرح طرح کے نفیس' مہنگے اور خوب صورت سامان سے بھری ہوئی تھی۔ جس میں سلور' تانبے کے چھدوار لیمپ' فریم' تھال اور چراغ دان تھے۔ اونٹ کی کھال کے ملتانی لیمپ' اونٹ کی ہڈیوں سے بنی سجاوٹی اشیاء' شیشم کی لکڑی کے گلدان' برتن' جام' طشتریاں' جواہرات کے ڈبے شیشے جڑے' جوٹ لپٹے گلدان' مرمر کے جام اور قدح' سلیمانی زردو کے جانور' ہاتھی' گھوڑے' شیر' سلیمانی کالی کے ہرن' سلیمانی سیاہ کی شطرنج' تنکا ورک کی تصویریں' راک نمک کے مختلف قالب میں ڈھلے نمونے ملتانی سفید اور نیلی نقاشی کے برتن' زرد کوڑیوں کی کشتیاں' ہار' کانٹے کڑے' کلش کے زیورے' راکھ تھالی' بید مجنوں کے موڑھے' ہزارے کی چنگیریں' تلواریں اور کٹھڑیاں۔

نانو کی دلی آرزو تھی کہ دکان میں موجود ہر طرح کی

چیز ان کے ہاتھوں کی بنی ہوئی ہو۔ لیکن یہ آرزو پوری ہونا تقریباً "ناممکن" تھی۔ بعض چیزوں میں ماہر ہونے کے لیے پوری زندگی درکار تھی۔ جس میں اونٹ کی ہڈیوں پر کی ہوئی کندہ کاری سرفہرست تھی اور جو انتہائی محنت طلب بھی تھی۔ دوسرے نمبر پر سلیمانی پتھر تھا' جس کو کسی قالب میں ڈھالنا بہت مشکل تھا۔ پھر بھی تو ڈھیر سے زیادہ مال نانو کے ہاتھوں سے نکل کر ہی دکان میں پہنچتا تھا۔ جوٹ ورک' تنکہ ورک' راک سالٹ' شیشے جڑے برتن' چنگیریں' ٹوکریاں' ان سب کے سیمپل نانو خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی تھیں۔ پھر کاریگر سیمپل دیکھ کر باقی پیس بنا لیتے تھے۔

سلور کے لیمپ اگرچہ نانو سالوں بعد ہی بناتی تھیں لیکن ہر لیمپ کا ڈیزائن نانو خود ڈیزائن کرتی تھیں۔ ان کی اس محنت کی وجہ سے پچھلے چند سالوں سے یہ دکان اچھی خاصی چلنے لگی تھی۔ اور نانو پہلے کی نسبت بہت زیادہ مصروف ہو گئی تھیں۔۔۔ لیکن اس مصروفیت کے باوجود بھی یشار اور باسل' دونوں بھائیوں کو نانو سے کبھی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ ہر کام ہمیشہ کی طرح وقت پر اور مکمل ملتا تھا۔

یشار ایم ایم عالم روڈ پر اپنا ایک کلینک چلا رہا تھا۔ نفسیات شروع سے ہی اس کا پسندیدہ موضوع رہا تھا۔ پھر اس کے اس شوق کو اس کے والد کے اثاثہ کتب نے مزید بڑھاوا دیا تھا۔ میٹرک میں آنے تک یشار فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ نفسیات کا ڈاکٹر بنے گا۔ اس کا یہ فیصلہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ کم عمری میں ہی نفسیات کا کوئی عام نہیں بلکہ جانا مانا ڈاکٹر بن چکا تھا۔ یونیورسٹی اور پلبلشلز سیمینارز میں اسے لیکچرز کے لیے معاوضے پر بلایا جاتا تھا۔ غیر ممالک کی بہت ساری ورکشاپس بھی وہ اٹینڈ کر چکا تھا اور اب تو وہ دوسرے ممالک کی ورکشاپس اور سیمینار میں مہمان کی حیثیت سے بلایا جانے لگا تھا۔

باسل یشار کے بالکل الٹ تھا۔ یشار کے لیے زندگی جتنی سیریس تھی باسل کے لیے اتنی ہی نان سیریس وہ شروع سے ہی بے فکر اور لاپروا تھا اور نانو نے بھی اس پر روک ٹوک نہیں کی تھی۔ گھر میں روپے پیسے کی کمی بھی نہیں تھی۔ دونوں کے والد کثیر سرمایہ اور حبیب اللہ روڈ پر واقع یہ پرانی طرز کا سرخ اینٹوں سے بنا یک منزلہ گھر جو چاروں طرف سے باغ سے گھرا تھا۔ ترکے میں چھوڑ کر گئے تھے۔ لیکن اب یونیورسٹی سے فارغ ہو جانے کے بعد نانو شدت سے یہ چاہتی تھیں کہ باسل کچھ بھی سہی مگر کرے۔

"تم بتاؤ' تم کرنا کیا چاہتے ہو باسل؟" نانو بارہا اس سے پوچھ چکی تھیں اور وہ آگے سے سر کھجا کر کہتا۔

"بہت بڑا بزنس۔۔۔ اتنا بڑا کہ میں آفس میں بیٹھا فائلز پر بس سائن ہی کرتا رہوں۔" وہ جواب دیتا تو نانو مسکرا دیتیں۔ مگر اب نانو کی مسکراہٹ بھی غائب ہونے لگی تھی۔

"جب تک اتنا بڑا بزنس شروع نہیں ہو جاتا کہ تم فائلز پر بس سائن ہی کرتے رہو تب تک تم یشار کے کام میں ہی اس کا ساتھ دے دو۔"

یشار کو نانو کے ارادے کا پتا چلا تو اس نے الگ شور مچایا تھا۔

"نانو میں نے اسے اپنے ساتھ کلینک لے کر نہیں جانا۔۔۔ لڑکیوں سے بھی زیادہ نخرے ہیں اس کے۔۔۔ اوپر سے غیر ذمہ دار۔"

نانو جانتی تھیں کہ یشار ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی نانو کا اصرار برقرار رہا کہ باسل یشار کے کلینک جائے۔ چاروناچار ایسا ہونے لگا تھا۔ پچھلے چھ ماہ سے باسل یشار کے ساتھ تھا۔

"میرے ساتھ رہنے سے اسے ڈگری نہیں مل جائے گی نانو۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن سنجیدگی ضرور مل جائے گی۔"

وہ یشار کے ساتھ ایک دو بار اندرون ملک ہونے والے سیمینارز میں بھی جا چکا تھا اور اس بار فرانس کے ٹور پر بھی نانو کا اصرار تھا کہ یشار باسل کو ساتھ لے کر جائے۔

"کلینک میں تو کچھ کرتا نہیں ہے۔۔۔ اکاؤنٹس تک میں تو صفر ہے یہ۔۔۔ وہاں جا کر کیا کرے گا۔" نانو اور یشار

دونوں اس کے لیے فکر مند تھے اور اسے جیسے دونوں کو چڑانے میں مزو آتا تھا۔

"دو بجے کی فلائٹ ہے نا تمہاری؟" نانو برش کو پھر سے گوند میں ڈبونے لگیں۔

"جی نانو۔"

"وہاں بھائی کو تنگ مت کرنا اور۔۔۔"

"خدا کے لیے نانو۔ پلیز آج نہیں۔۔۔ ایک ایک لفظ یاد ہے مجھے۔" اس نے لاڈ والی بے زاری سے کہا تو نانو مسکرا کر خاموش ہو گئیں۔

"اور آپ اس گلدان کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہیں۔۔۔ پندرہ دن ہو گئے۔۔۔ آخر یہ آپ سے مکمل کیوں نہیں ہو رہا۔"

"یہ کام بہت محنت طلب ہے باسل۔۔۔ اتنی آسانی سے تھوڑی نا ختم ہو گا۔"

"آپ خواہ مخواہ اتنی محنت کرتی ہیں۔۔۔ لائیں مجھے دیں۔۔۔ دو منٹ میں سارے گلدان پر رسی لپیٹ کر دکھاتا ہوں میں آپ کو۔" وہ جوٹ کو رسی کہہ کر اس کی توہین کر رہا تھا۔

"اچھا!!" نانو نے اسے نظروں ہی نظروں میں تولا۔ "تم پہلے بھی کافی بار کوشش کر چکے ہو۔"

"مسلور شیٹ تو ہاتھوں سے پھسل رہی تھی۔۔۔ مور پنکھ کے تار ٹوٹ رہے تھے۔ راک سالٹ توقع سے زیادہ سخت تھا۔۔۔ لیکن یہ۔۔۔ یہ تو میں جھٹ پٹ کر دوں گا۔" اس نے چٹکی بجائی اور برش پکڑ لیا۔ جلدی جلدی باقی ماندہ گل دان گوند سے تر کیا اور پھر جوٹ کو چکر پر چکر دینے لگا۔

"یہ دیکھیے۔۔۔ کیا کہ نہیں فنٹاسٹک۔۔۔" وہ تفاخر سے بولا۔

"اچھا اب اپنے بنائے اور میرے بنائے حصوں کو دیکھو۔۔۔" نانو نے بھی اشارہ کیا تو اس نے دونوں حصوں کو باری باری دیکھا۔۔۔ فرق واضح تھا۔ نیچے والے حصے میں نفاست نمایاں تھی اور اوپر والے میں عجلت۔۔۔ نانو نے ایک ایک کر کے اس کی لپیٹی ہوئی ساری جوٹ اتار لی۔

"یہ دیکھو۔۔۔ جوٹ کو بڑی احتیاط سے لگانا پڑتا ہے۔۔۔ اس کے ساتھ پہلے رشتہ بنانا پڑتا ہے۔ جو زمین اور نرم گھاس کے درمیان ہوتا ہے۔ تب جوٹ اجازت دیتی ہے کہ انسان اسے اپنی مرضی سے کسی بھی قالب میں ڈھالے۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔ بل کے ابھار کو پچھلے بل کے دونوں ابھاروں کی درز کے عین اوپر رکھنا ہے۔۔۔ نرمی سے۔۔۔ کہیں جوٹ کو کھینچ کر۔۔۔ کہیں ڈھیل دے کر۔۔۔ یہ دیکھو! نظر آیا۔۔۔؟ اس طرح سے بنتا ہے ڈیزائن۔۔۔ اور اس طریقے سے ملتی ہے قیمت۔۔۔"

"کریں بھئی کریں۔۔۔ آپ ہی کریں۔۔۔ ہمیں نہ تو سمجھ میں آتا ہے نہ ہی یہ کام ہوتا ہے۔۔۔ ویسے بھی ہم تو چلے فرانس۔۔۔ وہاں کی خوشبوؤں میں کھونے۔" وہ کہتا ہوا اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ نانو پیچھے

سے اس کی پشت کو دیکھے گئیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

پتا نہیں وہ کون سا لمحہ تھا جب ان کی جان ان کے وجود سے نکل کر ریشار اور باسل 'دونوں بھائیوں میں منتقل ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سورج مقام غروب پر پہنچا تو فلک پر بکھری چھوٹی بڑی بدلیوں کے ٹکڑوں کے کناروں نے جیسے آگ پکڑلی۔ ہوا کا جھونکا خط سرطان سے نکلا اور برگد کے موٹے تنے سے ٹکرا گیا۔ گرہ بندھی جٹائیں جھول جھول گئیں۔

سو جٹائیں اور ان سب پر ان گنت گرہیں اور بل۔۔۔ پیغامات کی جواب طلبی کی یاددہانی کے طور پر اور اب تو یہ حساب 'کائنات کی طرح لامحدود ہو گیا تھا۔۔۔ بے کنار۔۔۔ بے نتیجہ۔۔۔ کسی نئے بل یا گرہ کی خواہش نہیں رہی تھی۔ ڈراؤنی آنکھوں والے بوڑھے وجود نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اس کے پیغامات کے جواب دینے سے قاصر تھا۔ صدائے بشر آسمان کے پار تو جاتی تھی لیکن ندائے سلطانی واپس نہیں آتی تھی۔ ابھی صدائے آسمانی کا وقت دور تھا۔ بہت دور 'اور یہ بات اس بوڑھے وجود کو سمجھانا ناممکن تھی۔ وہ کسی کی سنتی ہی کہاں تھی۔۔۔ اور برگد کے علاوہ کسی کو سناتی بھی تو نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

فرانس کا شہر۔۔۔ پیرس۔

دریائے سین بہہ رہا تھا۔۔۔ روز کی طرح۔۔۔ سورج کی کرنوں کو سمیٹے۔۔۔ مشرق کی طرف۔۔۔ وہ بہہ رہا تھا۔۔۔ اس کے آنسوؤں کی طرح۔۔۔ جن کا حجم اس قدر زیادہ تھا کہ ایک اور دریا موجوں سمیت بہہ سکتا تھا۔

انگلی کی پور سے اس نے آنکھ میں آیا ایک اور آنسو صاف کیا اور دریا کو ایسے دیکھا جیسے اس سے اپنی زندگی کی تلخیوں کی وجہ مانگ رہی ہو۔ ان آنسوؤں کا حساب کتاب بھی بڑا عجیب تھا۔ وہ کہاں سے شروع کرتی اور کہاں ختم کرتی۔ کبھی اس حساب کتاب میں سدیم انکل آجاتے 'کبھی یشب انکل 'کبھی ممی اور کبھی ڈیڈی۔

سدیم انکل ڈیڈ کے دوست تھے 'یشب انکل کی طرح تینوں دوست ایک کمپنی کے مالک تھے اور پیرس میں ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ سدیم انکل نے شادی نہیں کی تھی۔ انہیں مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ وہ زندہ ضمیر کی آوازوں سے ڈر جانے والے آدمی تھے۔ اسے سدیم انکل سے ڈیڈ جتنی ہی محبت تھی۔ سدیم انکل اس کے پہلے دوست تھے اور آخری بھی۔۔۔ شاید سدیم انکل کی بیماری پر ہی اس نے پہلی بار رونا شروع کیا تھا۔ خود سدیم انکل کو زل سے اس قدر پیار تھا کہ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھ کر اس پر پھونکتے رہتے تھے۔

وہ جب بھی رات کو سوتے میں ڈر جاتی 'ہمیشہ سدیم انکل کے کمرے کی طرف بھاگتی تھی۔ اور ایسے میں ہمیشہ اسے سدیم انکل کسی نہ کسی عبادت میں مصروف نظر آتے تھے۔ وہ نفل ادا کر رہے ہوتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔۔۔ یا دعا مانگ رہے ہوتے تھے۔

زل کو نماز پڑھنے کا طریقہ بھی انہوں نے ہی سکھایا تھا۔ ورنہ۔ جس طرح کے اسکول میں وہ پڑھتی تھی وہاں اسے کسی بھی طرح کی مذہبی تربیت نہیں دی جاتی تھی۔ پھر جب وہ بڑی ہوئی تو اسے قرآن پاک پڑھانے کے لیے ٹیوٹر کا انتظام بھی انہوں نے کیا تو مام ڈیڈ نے بہت مخالفت کی تھی۔

"آگے ہی زل پر اسٹڈی کا بہت بوجھ ہے سدیم۔۔۔ جب ذرا بڑی ہو گی تو قرآن بھی پڑھ لے گی۔۔۔" مام ڈیڈ ملکوں ملکوں گھومنے والے آزاد پرندوں کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ ٹیوٹر والی بات انہیں تب پتا چلی تھی جب اسے آتے ہوئے پورا ایک ماہ گزر چکا تھا۔ اور پھر سدیم انکل کی شخصیت ایسی تھی کہ کوئی ان سے زیادہ بحث نہیں کرتا تھا۔

سدیم انکل نے براہ راست زل سے پوچھا تھا کہ کیا

وہ قرآن کو مزید پڑھنا چاہتی ہے۔ اگرچہ اس کی کوئی بات نہ تو اس کی سمجھ میں آرہی تھی نہ ہی اس کا ابھی تک قرآن میں دل لگا تھا لیکن اس کو پڑھتا دیکھ کر سدیم انکل کے چہرے پر جو خوشی آئی تھی وہ اسے ماند ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے اس نے مام ڈیڈ سے کہہ دیا کہ جیسا سدیم انکل کہتے ہیں وہ ویسا ہی چاہتی ہے۔

وہ تیرہ سال کی تھی اور قرآن کا دوسرا پارہ ختم کرپائی تھی جب اس نے گھر کی فضا میں پریشانی کی باس کو محسوس کیا۔ یشب انکل، مام ڈیڈ سب چپ چپ رہنے لگے تھے۔ سارے دن کے علاوہ وہ کھانے کی میز پر بھی زنل کے اٹھ جانے کے بعد بہت سیریس قسم کی گفتگو کیا کرتے تھے۔

بہت کوشش کے بعد بھی وہ بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ لیکن اتنا ضرور جان چکی تھی کہ یہ سارا ماحول سدیم انکل کی وجہ سے بنا ہے۔ اس نے سدیم انکل سے بات کی تھی اور وہ سن کے خاموش ہوگئے تھے۔

بالآخر ایک دن ممی نے اسے بتایا تھا۔ "تمہارے سدیم انکل کو بلڈ کینسر ہوچکا ہے زنل.....“ اور اس کا دل لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ "تم ان کے لیے دعا کرو.....“ ممی نے مزید کہا تھا۔

وہ روز دعا کرنے لگی، رو رو کر، اور سدیم انکل کو موت کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ان کا علاج ہو رہا تھا لیکن وہ ٹھیک نہیں ہو رہے تھے۔ مام ڈیڈ زیادہ دیر زنل کو ان کے پاس بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر بے تحاشا رونے لگتی تھی۔ سدیم انکل اس کا ننھا ہاتھ اپنے کمزور ہوتے ہاتھوں میں تھام لیتے تھے اور ہمیشہ مسکرا کر کہتے تھے۔

"تم تو اتنی مضبوط ہو میری بیٹی..... آنسو تمہاری آنکھوں میں اچھے نہیں لگتے..... آئندہ میں کبھی تمہیں روتے ہوئے نہ دیکھوں.....“ تب سدیم انکل نہیں جانتے تھے کہ تھوڑے عرصے بعد وہ واقعی دوبارہ اسے کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اور زنل بھی نہیں جانتی تھی کہ آنے والی زندگی میں رونا اس کا مقدر بننے والا ہے۔

اپنی موت سے ایک دن پہلے سدیم انکل نے زنل کو اپنے پاس بلایا تھا۔

"دعا کرو زنل..... میرے سامنے..... میرے لیے دعا کرو۔"

"میں آپ کے لیے روز دعا کرتی ہوں سدیم انکل۔" وہ بچی نہیں تھی۔ لیکن اتنی بڑی بھی نہیں تھی۔ بہت ضبط کے باوجود بھی وہ اپنے آنسو چھپا نہ سکی۔ اور اس کی آواز اس کے آنسوؤں کی طرح چھلک گئی۔

"میری صحت کے لیے نہیں زنل..... میری بخشش کے لیے دعا کرو..... دعا کرو کہ وہ مجھے بخش دے..... میرے گناہ معاف کردے.....“ سدیم انکل کی آنکھوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو آگئے تھے۔

"آپ بہت نیک ہیں، سدیم انکل۔"

"نہیں میں بہت گناہ گار ہوں۔ زنل..... !دعا کرو وہ میرے ساتھ انصاف نہ کرے مجھ پر اپنی رحمت کردے۔" زنل نے ٹشو سے ان کے آنسو صاف کیے پھر وہ خود بھی رونے لگی تھی۔

"تم رونا..... گڑگڑانا..... خدا بچوں کی زبان سنتا ہے زنل..... وہ تمہاری دعا ضرور قبول کرے گا۔ تم خدا سے التجا کرنا وہ مجھے عذاب میں نہ ڈالے..... وہ مجھے معافی دے دے..... معاف کردے۔" سدیم انکل بولتے رہے اور وہ سر ان کے سینے پر رکھے آنسو بہاتی رہی۔

اس نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ جیسے اسے ڈر ہو کہ وہ یہ ہاتھ چھوڑ دے گی تو دوبارہ کبھی اپنی گرفت میں نہیں لے سکے گی۔ اس کے سارے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو سدیم انکل جاچکے تھے..... اسے چھوڑ کر۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

مہینے بھر بعد ڈیڈ اسے ورلڈ ٹور پر لے گئے۔ وہ سنبھل ہی نہیں رہی تھی۔ ذہن کی لوح پر جو نقش موت کی بھیانک تصویر نے ڈالا تھا اسے مٹنے کے لیے بہت سے در کار تھا۔ تین ماہ اس نے ڈیڈ کے ساتھ

مختلف ممالک میں گزارے تھے۔ ممی اور یشب انکل کی وجہ سے ان کے ساتھ نہ آسکے تھے۔ ورلڈ ٹور کا فائدہ ہوا تھا۔ وہ خود کو قدرے سنبھال چکی تھی۔

لیکن یہ سنبھلنا لڑکھڑاتے ہوئے رک کر دوبارہ گرنے جیسا تھا۔

سدیم انکل کی وفات کو چھ ماہ ہوئے تھے جب وہ دوبارہ ایک رات سوتے میں ڈر گئی تھی۔ رات میں وہ اکثر ڈر جایا کرتی تھی۔ بچپن میں اس نے اپنی میڈ کو بھی اس حوالے سے بہت تنگ کیا تھا۔ پھر جب وہ ذرا بڑی ہوئی تو اس کا خوف سدیم انکل کے پاس جانے پر ہی ختم ہوتا تھا۔ اور اب سدیم انکل نہیں رہے تھے۔

وہ تیزی سے ممی کی کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ ڈیڈ ملک سے باہر تھے اور ممی کے کمرے سے مشترکہ ہنسی کی آواز آرہی تھی۔ تیز تیز چلتے چلتے وہ جیسے خود بخود ہی رک گئی۔ دوسری ہنسی کی آواز یشب انکل کی تھی۔ اسے پہچاننے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ دروازہ دباؤ سے ذرا سا کھول کر اس نے اندر جھانکا اور سائیڈ لیمپس کی روشنی میں نظر آتے منظر کو دیکھ کر اس کا دل اپنی جگہ سے کھسک گیا۔

یشب انکل اور ممی دونوں ایک ساتھ ایک ہی بیڈ پر بے حد قریب قریب بیٹھے ہنس رہے تھے۔ اور یہ منظر رات کو ڈرا دینے والے خوف ناک خواب سے بھی کہیں زیادہ بھیانک تھا۔ وہ الٹے قدموں چلتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آئی اور کمبل میں منہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ وہ نجانے کتنی ہی دیر روتی رہی اور نجانے کتنے ہی دن بیمار رہی۔

گھر کی خوشگوار فضا نقلی تھی۔ جذبے کھوکھلے اور رشتے منافق' اسے سدیم انکل اور خدا رہ رہ کر یاد آتے رہے۔ وہ ممی اور یشب انکل کے آپس کے تعلق کی چمک ہر روز دیکھتی۔ نظروں کے تبادلے' شوخ ادائیں۔ ڈیڈ کی معصومیت اور بے خبری کو دیکھ کر اس کا دل مزید کٹتا۔

اس نے نمازیں پڑھنا شروع کردیں۔ اسکول کے بعد وہ اسلامی سینٹر جانے لگی۔ اس کا خیال تھا شاید اس طرح اللہ خوش ہوجائے گا اور ممی' ڈیڈی' یشب انکل سب پہلے کی طرح ہوجائیں گے۔ وہ آنکھیں بند کرے گی اور کھولے گی تو ممی کی بے وفائی اور یشب انکل کی دھوکے بازی اس کے ذہن سے ہمیشہ کے لیے نکل چکی ہوگی۔

لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔

وہ اولیول کے آخری سال میں تھی جب ایک رات پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ ایک ہفتے بعد اسے اس ہارٹ اٹیک کی وجہ پتا چلی تھی۔ جب ممی ایک خط اس کے نام اور ایک ڈیڈ کے نام چھوڑ کر یشب انکل کے ساتھ گھر سے چلی گئی تھیں۔

وہ خط اس نے نہیں پڑھا۔ دریائے سین میں بہا دیا۔ سدیم انکل کے بعد اس نے اس خاموش سین کو اپنا دوست بنالیا تھا۔ اسے پتا تھا اس دوست کی نہ کبھی موت ہوگی نہ اسے اس کی موت پر رونا پڑے گا۔

ڈیڈ کے نام لکھے جانے والے اس خط کی عبارت کا اسے علم نہیں تھا۔ لیکن اس خط کے لکھے جانے کے پیچھے جو تحریک کار فرما تھی اس نے ڈیڈ کو چپ لگادی تھی۔ زل کا خیال تھا کہ وہ ممی اور یشب انکل پر چیخیں گے' چلائیں گے' انہیں برا بھلا کہیں گے' گالیاں دیں گے لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ ڈیڈ مطمئن بیٹھے رہے جیسے اس بات کے ہوجانے کا انہیں سو فی صد یقین تھا یا جیسے وہ کب سے اس واقعے کے رونما ہوجانے کے انتظار میں تھے۔

ڈیڈ نے کمپنی میں موجود دونوں کے شیئرز بغیر کسی حجت کے' دونوں کے نام منتقل کردیے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ دونوں اس وقت کہاں ہیں۔ اس کے باوجود زل نے کبھی ان سے' ممی سے ملنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ اب ڈیڈ میں ہی مام ڈیڈ دونوں تلاش کرنے لگی تھی۔ لیکن ڈیڈ میں ڈیڈ بھی مشکل سے ہی موجود رہے تھے۔

رفتہ رفتہ انہوں نے ڈائننگ ٹیبل پر آنا بھی چھوڑ دیا' وہ سارا دن اپنے کمرے میں بند رہ کر گزار دیتے تھے۔ کمپنی کی ساکھ بگڑنے لگی تھی۔ لیکن انہیں جیسے

کسی چیز کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ وہ چین سموکنگ کرنے لگے۔ شراب۔۔۔ اور پھر کثرت شراب۔ زل کے لیے ان کی حالت قابل رحم تھی۔ شراب کے نشے میں وہ چیختے چلاتے۔ ملازموں کو برا بھلا کہتے۔۔۔ چیزیں توڑتے۔۔۔ زل قریب جاتی تو وہ اسے بھی دھتکار دیتے۔

"دور رہو مجھ سے۔۔۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں ۔۔۔ سے۔۔۔ تم۔۔۔ تم بھی اس کمینے یشب کی بیٹی ہو نا۔۔۔" وہ غصے میں کبھی اسے پرے کرتے' کبھی بالوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ بغور دیکھتے۔ جیسے یقین کر رہے ہوں کہ وہ ان کی ہی بیٹی ہے یا نہیں۔۔۔ ان سب کے بعد ان کا نشہ اترتا تو وہ بیٹھ کر رونا شروع کر دیتے۔ کبھی اونچی آواز سے' کبھی خاموشی سے۔۔۔ زل خود بھی رونا شروع کر دیتی۔

پچھلے چار سالوں میں وہ انہیں مختلف ڈاکٹروں کو دکھا چکی تھی۔ مشہور ملکی و غیر ملکی ماہر نفسیات سے اس نے کنسلٹنگ کی تھی۔ ڈیڈ تھوڑے عرصے کے لیے ٹھیک بھی ہو جاتے تھے لیکن یہ تھوڑا عرصہ سورج اور شبنم کے رشتے کی طرح کا ہوتا تھا۔ فرانس' امریکہ' برطانیہ وہ تینوں جگہوں پر بری طرح ماری ماری پھری تھی۔

اس دوران مختلف ادوار میں ممی کی کالز بھی آتی رہی تھیں۔ وہ ان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ان سے نفرت کا اظہار بھی اس کے لیے آسان نہیں تھا۔ تھوڑے وقت کی ٹیلی فونک گفتگو میں وہ ہاں ناں میں بات کیے جاتی۔ ممی اپنا فرض نبھا کر لمبے عرصے کے لیے رابطہ منقطع کر دیتی تھیں۔

ڈیڈ کی طبیعت دن بدن گر رہی تھی۔ جس کی وجہ سے زل کی تعلیم بھی متاثر ہو رہی تھی۔ وہ جوان تھی' اس کے بھی کچھ خواب تھے۔ وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ لیکن موجودہ صورت حال میں اس کے خوابوں کے شرمندۂ تعبیر ہونے کے زیادہ چانسز نہیں تھے۔ اس نے ایک این۔ جی۔ او جوائن کی تھی۔ تیسری دنیا میں عورتوں کی عصمت دری میں اضافے کے حوالے سے بنی این جی۔ او۔۔۔ اور اس این جی او میں اس کا کام نہ ہونے کے برابر تھا۔ دو تین آرٹیکلز لکھنے کے علاوہ وہ اب تک کچھ بھی ایسا قابل قدر کام نہیں کر سکی تھی جو دوسروں کو متاثر کرے۔

اسی این جی او کے اشتراک سے ہونے والے ایک سیمینار کی تفصیل پڑھتے وقت اس کی نظروں سے ڈاکٹر یشار کا مختصر تعارف گزرا تھا۔

جو عنقریب فرانسیسی عورتوں کی عصمت دری کے بعد کی ذہنی کیفیت پر منعقد سات روزہ سیمینار میں شرکت کرنے کے لیے آ رہا تھا۔

زل نے ڈاکٹر یشار سے متعلق اور بھی بہت ساری معلومات اکٹھی کر لی تھی۔ یشار کا تعلق پاکستان سے تھا۔ وہ بمشکل پینتیس سال کا ایک پرکشش نوجوان تھا۔ اور اپنے کریئر کے مختصر سے عرصے میں ہی وہ غیر ممالک کے لگ بھگ دس ٹور کر چکا تھا۔

وہ پاکستان سے تھا۔ ڈیڈ کے دیس سے۔ صرف یہ ہی ایک ایسی بات جس کے باعث وہ یشار سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یقیناً "علاج کا اچھا نتیجہ نکلے گا۔ اس نے اپنے سارے اختیارات کا استعمال کر کے یشار کے فرانس میں ایک مہینے کے شیڈول کو جانا تھا۔ اور اب وہ جلد سے جلد اس سے ملنے کی خواہاں تھی۔

ہوا میں نمی اور خنکی کی جوت جاگنے لگی۔ تو کھڑکی بند کر کے وہ راکنگ چیئر پر بیٹھ گئی۔ کمرے میں پھیلا نیم اندھیرا گہرا ہونے لگا تھا۔ راکنگ چیئر پر جھولتے جھولتے اور چھت کو گھورتے' وہ اپنے اعصاب کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

پیرس میں پہلا دن کافی تھکا دینے والا تھا۔ ایئرپورٹ سے سیدھے ہوٹل پھر تین گھنٹے بعد کونسل ہال' جہاں چار گھنٹے کی پہلے دن کی تقریب حد درجہ بورنگ تھی۔ باسل کو دل ہی دل میں تا تو پر غصہ آیا تھا کہ انہوں نے کیوں یشار سے ضد کی کہ وہ اس بار باسل کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یشار

یہاں اکیلا ہی آجاتا۔ اور وہ لاہور نانو کے پاس رہ جاتا۔ کلینک بھی نہ جانا پڑتا۔ ویسے بھی نانو کے ساتھ وقت گزارنا باسل کو ہمیشہ ہی اچھا لگتا تھا۔ وہ پیار سے انہیں اپنی گرل فرینڈ کہا کرتا تھا۔ یشار کی غیر موجودگی میں ایک ماہ کی طویل چھٹی میں اس نے خوب انجوائے کرنا تھا۔ لیکن نانو بھی نا جب کسی بات پر اڑ جاتیں تو پھر اپنی ضد منوا کر ہی دم لیتی تھیں۔

وہ ویسے بھی باسل کو یشار کی نسبت سالوں سے ہر ہر معاملے میں ڈھیل دیتی آرہی تھیں۔

تقریب کے بعد لنچ تھا۔ وہ بھی تقریب کی طرح ہی بور کردینے والا۔ یشار کے ساتھ ساتھ لگا' وہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگا تھا۔ یشار' باسل کی اندرونی کیفیت سے آگاہ تھا اور بڑی اچھی طرح آگاہ تھا۔ ابھی تو پہلا ہی دن تھا۔ انتیس دن ابھی باقی تھے۔

"تمہارے پاس صرف ایک ماہ ہے۔ ہمیں فرانس کو دیکھنے کا آغاز آج سے ہی کردینا چاہیے۔" تقریب کے اختتام پر ہوٹل واپس آتے وقت باسل نے تجویز دی۔

"تمہارے نہیں' صرف تمہارے پاس... میں فرانس پہلے بھی گھوم چکا ہوں۔" سپاٹ لہجہ۔

"لیکن میں تو یہاں پہلی دفعہ آیا ہوں۔" اصرار نہیں منت۔

"میرے پاس وقت نہیں ہائی ڈیئر برادر... مجھے کل کے لیے تیاری بھی کرنی ہے۔" ہوٹل کے گیٹ پر گاڑی رکی تو وہ کہہ کر نیچے اترا۔ باسل نے بھی دوسرے دروازے سے اترنا چاہا تو یشار نے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔

"اسے مال آف فلاور لے جائیں۔" اس نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔ پھر باسل کی طرف رخ کیا۔

"معذرت برادر... مجھے کسی سے ملنا ہے۔ تم اتنی دیر مال دیکھ آؤ۔"

"معذرت۔" باسل نے قہقہے کو بمشکل ضبط کیا۔ یشار جیسے مشینی آدمی کے ساتھ مال دیکھنے میں مزہ تھا نہ صحرا دیکھنے میں۔

☆ ☆ ☆

ڈیڈ نے ساری رات پھر ہنگامہ کیا تھا۔ جیسا کہ زل کو توقع تھی۔ جب اس نے انہیں بتایا کہ وہ ان کے لیے کسی پاکستانی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے چکی ہے۔ سن کر پہلے تو وہ چپ رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی آنکھیں کھلی تھیں۔ ماتھا اوپر ہوا تھا اور چہرے کے تیور بگڑتے ہی چلے گئے تھے۔

"تم بھی اپنی بدذات ماں کی طرح مجھے پاگل سمجھتی ہو۔" انہوں نے نفرت سے کہا تھا۔ اکٹھے ڈنر کرنا اسے اتنا مہنگا پڑے گا اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ دونوں طرف کھڑے ملازموں کو اس نے باری باری دیکھا۔ اور وہ جیسے نظروں کے اشارے سمجھتے ہوئے دائیں بائیں کھسک گئے۔

"تمہارے خیال میں میں ابنارمل ہوں۔" وہ غراتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ زل کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آپ ابنارمل نہیں ہیں ڈیڈ... آپ بیمار ہیں۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔ "اور آپ کی بیماری کا مجھے بہت احساس ہے۔"

"کیوں کرتی ہو تم میری اتنی فکر؟" وہ طنزیہ بولے۔ "تم تو شاید میری بیٹی ہی نہیں ہو... اس حرام خوریشب کی بیٹی ہو... یا شاید تمہارا اصل باپ سدیم ہو۔ تمہاری ماں سے کچھ بھی بعید نہیں... یا ہوسکتا ہے کوئی اور جسے میں جانتا تک نہ ہوں۔" ڈیڈ غصے سے بولتے چلے گئے اور وہ سر جھکائے آنسو بہاتی رہی۔

"آپ ایسا کیوں کہتے ہیں... آپ کو پتا ہے میں آپ کی بیٹی ہوں۔" وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔ ڈیڈ کے ماتھے کی سلوٹیں کم ہوئی تھیں اور وہ یک دم خاموش ہوگئے تھے۔ کافی دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد انہوں نے ملازم کو آواز دی تھی۔

"مجھے میرے کمرے میں لے چلو۔" ملازم انہیں سہارا دے کر ان کے کمرے میں لے گیا۔

وہاں سے پھر رات گئے تک مختلف آوازیں آتی رہی تھیں۔ ڈیڈ اپنا اندرونی غصہ بیرونی چیزوں پر نکال رہے تھے۔ چیزیں جو بہت بار گرچکی تھیں۔ ٹوٹ چکی

تھیں۔ بکھر چکی تھیں۔ اس شور کو تھمنے میں طوفان جتنی دیر لگی۔ اور سب سے آخر میں ان کے رونے کی آوازیں آنے لگیں زِل جانتی تھی دروازے پر دستک دینا بے کار ہے۔ ڈیڈ کسی صورت دروازہ نہیں کھولیں گے۔

صبح سر جھکائے وہ خود ہی ناشتے کی ٹیبل پر آئے تھے۔

"کون ہے وہ نیا ڈاکٹر۔" انہوں نے زِل سے پوچھا۔ ان کے سوال میں شرمندگی چھپی ہوئی تھی۔

"وہ پاکستان سے... آپ کے شہر لاہور سے بھی... یشار نام ہے اس کا۔" زِل نے ڈیڈ کو بتایا۔ "آج شام پانچ بجے کی اپائنٹمنٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے..." انہوں نے کافی پیتے ہوئے ہلکے انداز سے کہا تھا۔

"آپ تیار رہیں گے نا۔" وہ ایک گونہ اطمینان کرلینا چاہتی تھی۔

"ہاں... پر وہیل چیئر نکلوا دینا... اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی کہ اپنی ٹانگوں پر چل کر کہیں آجاسکوں۔" انہوں نے بے تاثر چہرے سے بے تاثر جملہ بولا تھا۔ زِل وقتی طور پر خوش ہو گئی تھی۔ ڈیڈ کی رضامندی کا اطمینان اور وہیل چیئر کی بے چینی، وہ متضاد احساس میں گھری ہوئی تھی۔

"اس بار سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ خود سے بولی۔ جیسے بنا ملے ہی اسے ڈاکٹر یشار کی قابلیت پر کامل بھروسا ہو۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس بار سب پہلے سے بھی زیادہ غلط ہونے والا ہے۔

☼ ☼ ☼

مال آف فلاورز اپنے نام کی طرح ہی خوب صورت تھا۔ جس کے کل آٹھ فلور تھے۔ اس نے ہر ایک فلور پر اچھا خاصا وقت برباد کیا تھا۔ سہ پہر سے شام اور پھر اب رات ہونے لگی تھی۔ اپنے لیے تو اسے سب ہی کچھ پسند آگیا تھا جس میں سے اس نے کافی کچھ خرید بھی لیا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ نانو کے لیے ایسا کیا لے جو انہیں دل سے پسند آئے۔

کاسمیٹک، جیولری، ڈریسز، سینڈل وغیرہ کا تو نانو کو سرے سے کوئی شوق ہی نہیں تھا۔ یاسل نے بچپن سے ہی نانو کو بہت سادہ لباس میں دیکھا تھا۔ وہ اجلے رنگوں کے صاف اور نفیس پہناوے پہننے کی عادی تھیں۔ اور مال میں موجود کوئی بھی مشرقی لباس ان کی شخصیت سے لگا نہ کھاتا تھا۔ بہت سوچنا اور دیکھنا بھی بے کار ثابت ہوا۔ وہ واپس جانے لگا تھا جب اس کی نظر ایک اینٹک گفٹ شاپ پر پڑی تھی۔ جس کے باہر والے شیلف پر ہی اسے وہ پیام (انگریزی مرتبان) نظر آئے تھے... ایک سفید ایک سیاہ...

اندر پہنچ کر اس نے بنا قیمت پوچھے ان پیاموں کی جوڑی کو پیک کروا لیا تھا۔ یہ تحفہ واقعی ایسا تھا جو نانو کو بہت پسند آنے والا تھا۔

رات ڈھل رہی تھی جب وہ ہوٹل واپس آیا تھا۔ تقریباً خالی لابی میں سے گزرتے ہوئے اس کی بھٹکتی نظر ٹھٹک کر رکی تھی جب سفید پہناوے میں ملبوس ایک دلکش سراپا اسے نظر آیا تھا۔ وہ چہرہ آنکھوں کے علاوہ باقی سارا ایشیائی تھا۔ ہاتھ میں پکڑے پیاموں کی طرح خوب صورت، جاذب نظر۔ یاسل کے ست ہوتے قدم خود بخود ہی رک گئے تھے۔ اس چہرے پر آٹھ نو سال کے بچوں والی معصومیت تھی۔

زِل نے بھی غیر ارادی طور پر میگزین سے نظریں ہٹا کر یاسل کو دیکھا تھا۔ دونوں کی نظریں ایک لمحے کو ملی تھیں۔ پھر یاسل نے چونکتے ہوئے اپنی نظروں کے زاویے بدلے تھے۔ زِل بھی دوبارہ میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی تھی۔ راہداری میں نصب پینٹنگز کو دیکھتے ہوئے بھی وہ بار بار پلٹ کر اسے دیکھنے سے خود کو روک نہ سکا۔ پھر وہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ لفٹ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی وہ لڑکی بھی تیزی سے اندر داخل ہوئی، جسے وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے لابی میں دیکھ چکا تھا۔

پوری لفٹ میں انجان خوشبو پھیل گئی۔ اس خوشبو

کے سحر میں مبتلا وہ خاموش رہا۔ تھرڈ فلور پر یہ لمبا سفر تمام ہوا تو زل جلدی سے لفٹ سے نکل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے راہداری عبور کر کے روم نمبر تین سو گیارہ کے سامنے پہنچ گئی اور پیچھے آتے باسل نے رک کر اپنا سر کھجایا۔ تین سو گیارہ تو ان کا روم نمبر تھا۔ کیا وہ اپنے روم کا نمبر بھول گیا تھا یا فکور۔۔۔ وہ فیصلہ نہ کرسکا۔

"تھری الیون مسٹر یشار کے نام سے بک ہے سر۔" ریسپشن سے تصدیق ہو گئی تو وہ واپس اپنے کمرے تک آیا۔ تب زل باہر نکل رہی تھی۔ ایک درمیانی عمر کے کمزور آدمی کے ساتھ جو وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ یشار بھی دروازے کے پیچھے سے برآمد ہوا۔

"اپنے قیمتی وقت میں سے جو وقت آج آپ نے ہمیں دیا ہمیں اس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں ڈاکٹر یشار۔" یہ الوداعی فقرہ تھا جو زل کی طرف سے بولا گیا تھا اور جسے یشار نے مسکرا کر قبول کیا تھا۔

پھر وہیل چیئر آگے بڑھاتے ہوئے اس نے ایک نظر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہوئے باسل پر ڈالی۔ باسل اسے دیکھتا رہ گیا۔ سفید جالی دار فراک جو گھٹنوں سے ذرا ہی نیچے تھی اور کندھوں کو چھوتے سیدھے بال' وہ کسی مہنگی دکان میں سجی ہوئی "سنو وائٹ" گڑیا لگ رہی تھی۔

"یہ کون تھی۔۔۔؟" اندر پہنچ کر اس نے یشار سے پوچھا اور لہجے سے ایسے ظاہر کیا جیسے سرسری ہی پوچھ رہا ہو۔

"اس کے والد بیمار ہیں ان کو کنسلٹنسی کے لیے لائی تھی۔" یشار کوٹ اتارتے ہوئے بولا۔

"تمہیں تو آتے ہی پیشنٹ بھی مل گئے۔"

"کام ہی ایسا ہے۔"

"کیا کنسلٹنسی صرف ایک بار ہونی تھی۔" وہ نظروں کی معنی خیزی کو چھپا نہ سکا۔

یشار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ تاسف سے ایسے مسکرایا جیسے اس کا بھائی ہونے پر اسے کوئی بہت بڑا ... پھر سر جھٹک کر باتھ روم میں چلا گیا۔

"میری اگلی میٹنگ اس لڑکی کے گھر پر ہے۔ تمہیں بھی چلنا ہو تو چلنا۔" دروازے سے آدھا سر نکال کر اس نے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

پچھواڑے کے تالاب کے۔۔۔ جھلمل پانی میں مینڈک ٹرا رہے تھے۔ صبح سے شام تک خوب پانی برسا تھا۔ کائی زدہ باسی تال ابل رہا تھا اور جمی کائی کے تھال ٹوٹے عرشے کی طرح سطح آب پر تیر رہے تھے۔

ان ہی میں سے ایک تھال برگد کی جڑ کی طرف بڑھا اور برگد نے اپنی جڑیں پیچھے کرنی چاہیں۔ یہ وہ داغ تھا جو برگد کو منظور نہیں تھا اور جس کے لیے وہ بے بس تھا۔ چوبی سلاخ دار کھڑکی سے پرے بیٹھی' وہ سب دیکھ

لودے بادلوں نے ایک دوجے سے رگڑ کھائی اور شعلہ صاعقہ بھڑک کر فنا ہو گیا۔ بوڑھے وجود کو جیسے وجہ مل گئی۔

"ہمایوں بھیا۔۔۔ او گاڈ۔۔۔"

"انتقام کا کالا موتیا آنکھوں میں اتر آئے تو بہت زیادہ خوں بہا ادا کرنا پڑتا ہے۔" آواز آنسو کی طرح بھیگی ہوئی مگر غیر محسوس اور بے وزن تھی۔ کھڑکی کی سلاخیں بھی نہ پار کر سکی تھی' لیکن برگد نے لب ہلتے دیکھ لیے تھے۔ اس لیے یاد دہانی کے طور پر اس نے اپنی جٹا کو ایک بل اور دے دیا۔

☼ ☼ ☼

"میں ہفتے کی رات کو لاہور آرہا ہوں۔" ہمایوں نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

انار کلی بازار کے وسط کی دکان "نگار خانہ" میں اتوار کے دن' رش معمول سے زیادہ تھا۔ نانو مختلف گاہکوں کو گائیڈ کرتی مسکرا رہی تھیں۔ باقی ورکر فروخت شدہ اشیا اخباروں میں لپیٹ کر ان کا بل بنانے میں مصروف تھے۔ جب فون کی بیل پر انہوں نے بے توجہی سے ریسیور اٹھایا تھا اور آگے سے آتی ہمایوں کی آواز نے ان کی ساری توجہ اپنی طرف موڑ لی تھی اور وہ اپنی ہی

دکان میں رکھے مجسموں کی طرح چوبی، سنگی، دھاتی صورت اختیار کرتے کرتے جامد ہوگئی تھیں۔

"میں چار دنوں کے لیے آرہا ہوں۔" ہمایوں نے مزید بتایا۔

"بس چار دن؟" نانو جانتی تھیں کہ ان کے لیے وہ چار دن کافی طویل ثابت ہونے والے تھے۔ "یشار اور باسل تو دونوں فرانس گئے ہوئے ہیں۔" انہوں نے ہمایوں کو آگاہ کیا۔

"تو کیا مجھے صرف یشار اور باسل سے ملنے آنا ہوتا ہے۔" ہمایوں نے پوچھا۔ وہ خاموش ہوگئیں۔ دوسری طرف بھی تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔

"میرا قیام ہوٹل میں ہوگا۔ آپ تردد مت کیجیے گا۔"

"تم اس گھر میں کیوں نہیں رہ لیتے بیٹا۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اس گھر سے وحشت ہوتی ہے۔ آپ جانتی ہیں۔"

"تمہارے ہوٹل میں قیام کا یشار اور باسل کو معلوم ہوگا تو وہ کیا سوچیں گے کہ ان کا ماموں۔"

"وہ دونوں اب بڑے ہوچکے ہیں۔ بہت ساری باتوں کا انہیں اب علم ہوجانا چاہیے۔" نانو کے لب جامد ہوگئے۔

"آپ کو آگاہ کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ اب رکھتا ہوں۔"

"خدا حافظ۔" نانو نے ہلکے سے کہا ہی تھا کہ ہمایوں نے فون بند کردیا۔

نانو اس دن پھر کسی گاہک کو گائیڈ نہیں کرسکی تھیں۔

✿ ✿ ✿

سیمینار کے دوسرے دن کی تقریب ختم ہونے کے بعد وہ اور یشار دونوں زمل کے گھر آئے تھے۔ دریائے سین کے سامنے آرام سوسائٹی کے آغاز میں ایک عالی شان گھر جو کسی قلعے کی طرح بڑا تھا۔ کسی ہوٹل کی طرح پُر رونق اور تاج محل کی طرح سفید۔ باوردی میڈ کی تقلید میں وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ باسل ہر چیز کو بڑی مرعوبیت سے دیکھ رہا تھا۔ مہنگے قالین، پردے، کرسٹل کے آرائشی پیس، نوادرات، نایاب آئینے، بیش قیمت پینٹنگز، وہ گھر ہر طرح سے شان دار تھا۔

"ویل کم!" زمل نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ دونوں کا استقبال کیا۔ باسل سے نظریں ملیں تو اس کی آنکھوں میں پہچان کا ایک رنگ آکر چلا گیا۔ مگر وہ رنگ بے کیف تھا۔

"آپ کیا لینا پسند کریں گے۔"

"ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں مس زمل۔۔۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے۔ آپ سمجھ سکتی ہیں۔"

"جی۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"آپ بتایئے آپ کے ڈیڈ کہاں ہیں۔"

"وہ لائبریری میں ہیں۔۔۔ صبح سے وہیں ہیں۔ میرے خیال سے کنسلٹینسی کے لیے وہ جگہ ہی مناسب ہے۔"

"یو آر رائٹ۔" یشار اٹھ کھڑا ہوا تو زمل نے میڈ کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں ڈیڈ کے پاس لے جائے۔

"اس دوران آپ میرے بھائی کو اپنا سارا گھر وزٹ کرائیں۔ یہ بھی علاج کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہوپ یو انڈر اسٹینڈ۔۔۔ باقی آپ کو باسل سمجھا دے گا۔" یشار نے کہا اور میڈ کے پیچھے چلتا چلتا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے۔ زمل بند کھڑکی سے پار دیکھتی رہی۔

"یہ کام پہلے بھی بہت بار ہوچکا ہے، لیکن میں مسٹر یشار کے طریقہ علاج میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔" باسل اس کے جواب میں کچھ نہ بول سکا تھا۔

"آپ کے خیال میں کیا اشیا اور رنگ مزاجوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔" وہ پوچھنے لگی۔

"میں نفسیات کا ڈاکٹر نہیں ہوں۔ ان باتوں کو یشار

مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ مجھے تو وہی کرنا ہے جو اس نے
کہا ہے، لیکن آپ کی بات کے جواب میں، میں اتنا
ضرور کہوں گا کہ ہاں۔۔۔ اشیا اور رنگ مزاجوں پر اثر
انداز ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے والدین سے منسلک کچھ
چیزیں جنہیں دیکھ کر ہم اداس ہو جاتے ہیں۔ قبریں جو
ہمیں خوف زدہ کر دیتی ہیں، سفید رنگ جو کفن کی یاد
دلاتا ہے، کسی خاص رنگ کے پھول جو اچھے یا برے
وقت کے امین ہوتے ہیں اور اس اچھے برے وقت کو
جاننا ہی علم نفسیات کہلاتا ہے۔"

زمل جیسے اس کی باتوں سے متاثر ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور
لمبی راہداری پار کر کے اسے ڈیڈ کے کمرے تک لے
آئی۔

"یہ ڈیڈ کا روم ہے۔" ہینڈل گھما کر اس نے دروازہ
کھول دیا۔

"لیوا گرین اور اس کے فیملی رنگوں سے
منسلک۔۔۔ ڈاکٹر تھامس نے ریکمنڈ کیے تھے یہ
رنگ۔۔۔ ذہن کو پرسکون کرنے کے لیے۔" باسل ہر
چیز کو ڈائری میں لکھنے لگا۔

"شیلف میں رکھے یہ کھلونے ڈاکٹر جمیڈ کی تجویز
تھی۔۔۔ ان کا خیال تھا کہ کھلونے انسان کو اس کے
بچپن کی یاد دلا دیتے ہیں اور اس کا دل فرشتے جیسا
معصوم ہو جاتا ہے۔" وہ رکی پھر بولی۔ "وال کلاک۔۔۔
کارٹنز۔۔۔ مرر۔۔۔ کوئی بھی چیز ڈیڈ کی یا میری چوائس کی
نہیں ہے۔ یہ روم ڈاکٹرز کی اصلاحوں سے بھرا ہوا
ہے۔" باسل لہجے کے اتار چڑھاؤ پر چونک گیا۔

"سوری۔۔۔ میں تھوڑی جذباتی ہو گئی۔" وہ آنکھ
میں آئے آنسو کو صاف کرنے لگی۔

باسل چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "اب تک آپ کتنے
ڈاکٹرز سے علاج کروا چکی ہیں۔"

"لاتعداد۔۔۔" باہر نکل کر اس نے دروازہ بند کیا۔

"کیا گھر میں کچھ ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو دیکھ کر
آپ کے ڈیڈ کچھ سوچتے ہوں۔ دیکھ کر رک جاتے ہوں۔
غصے میں آجاتے ہوں یا کسی بھی طرح کا دوسرا
رویہ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ اور اگر ایسی کوئی چیز ہے بھی تو میرے علم
میں نہیں ہے۔" وہ چلتے چلتے رکی۔ "یہ ڈرائنگ روم
ہے۔۔۔ ڈیڈ بھی یہاں بیٹھا کرتے تھے، لیکن کافی عرصے
سے اب وہ اپنے کمرے میں ہی کھانا کھا لیتے ہیں۔"

"کیا کچھ چیزیں اتنی پرانی ہیں کہ آپ کے ڈیڈ کے
ماضی سے جڑی ہوں۔"

"تقریباً" ناممکن کی حد تک۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ ممی
ہر دو سال بعد پورے گھر کی ایک ایک چیز کو تبدیل کر دیا
کرتی تھیں۔"

"انٹیکس کا شوق کسے ہے۔"

"میری ممی کو ہی۔"

"وہ اب۔۔۔"

"وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔" لمحے بھر کی خاموشی
اس کے لبوں پر آئی اور درشتی آنکھوں میں، "دونوں
کی علیحدگی ہو چکی ہے۔" باسل نے کسی قسم کا رد عمل
ظاہر نہیں کیا۔ گھر کا ہر پورشن گھوم لینے کے بعد وہ
دونوں واپس پہلے والے کمرے میں آئے تھے۔

"آپ کا گھر کافی بڑا ہے۔۔۔ ایک دن میں مکمل
وزٹ نہیں کیا جا سکتا۔" یشار کی مطلوبہ معلومات تک
کے لیے تو بالکل نہیں۔" تھوڑی دیر بعد یشار بھی وہیں
آگیا تھا۔

"اب ہمیں اجازت دیں۔" وہ بیٹھا نہیں تھا۔

"کیا کچھ بہتری کے چانسز ہیں ڈاکٹر یشار؟"

"کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے۔۔۔ نفسیات کی
اصطلاح کی بہت ساری ایسی باتیں ہیں جنہیں آپ
نہیں سمجھ سکتیں، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایک
طرح کا جذباتی عدم توازن ہے۔۔۔ آپ کو ان کو ہر وقت
اپنے خلوص کا احساس دلاتے رہنا پڑے گا۔ ڈاکٹرز
تھراپی اور ریلیشن تھراپی میں بہت فرق ہے۔ یہ دونوں
تھراپیز الگ الگ طریقوں سے مریض پر اثر انداز ہوتی
ہیں اور ان کے نتائج بھی حیران کن حد تک مختلف
ہوتے ہیں۔ لیٹس سی کہ آگے کیا بہتری آتی ہے۔"
یشار کی کسی بھی بات کا زمل پر جیسے اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

دکان میں رکھے مجسموں کی طرح چوبی، سنگی، دھاتی صورت اختیار کرتے کرتے جامد ہو گئی تھیں۔

"میں چار دنوں کے لیے آرہا ہوں۔" ہمایوں نے مزید بتایا۔

"بس چار دن؟" نانو جانتی تھیں کہ ان کے لیے وہ چار دن کافی طویل ثابت ہونے والے تھے۔ "یشار اور باسل تو دونوں فرانس گئے ہوئے ہیں۔" انہوں نے ہمایوں کو آگاہ کیا۔

"تو کیا مجھے صرف یشار اور باسل سے ملنے آنا ہوتا ہے۔" ہمایوں نے پوچھا۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ دوسری طرف بھی تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔

"میرا قیام ہوٹل میں ہوگا۔ آپ تردد مت کیجیے گا۔"

"تم اس گھر میں کیوں نہیں رہ لیتے بیٹا۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اس گھر سے وحشت ہوتی ہے۔ آپ جانتی ہیں۔"

"تمہارے ہوٹل میں قیام کا یشار اور باسل کو معلوم ہوگا تو وہ کیا سوچیں گے کہ ان کا ماموں۔"

"وہ دونوں اب بڑے ہو چکے ہیں۔ بہت ساری باتوں کا انہیں اب علم ہو جانا چاہیے۔" نانو کے لب جامد ہو گئے۔

"آپ کو آگاہ کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ اب رکھتا ہوں۔"

"خدا حافظ۔" نانو نے ہلکے سے کہا ہی تھا کہ ہمایوں نے فون بند کر دیا۔

نانو اس دن پھر کسی گاہک کو گائیڈ نہیں کر سکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

سیمینار کے دوسرے دن کی تقریب ختم ہونے کے بعد وہ اور یشار دونوں زل کے گھر آئے تھے۔ دریائے سین کے سامنے آرام سوسائٹی کے آغاز میں ایک عالی شان گھر جو کسی قلعے کی طرح بڑا تھا۔ کسی ہوٹل کی طرح پُر رونق اور تاج محل کی طرح سفید۔ باوردی میڈ کی تقلید میں وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ باسل ہر چیز کو بڑی مرعوبیت سے دیکھ رہا تھا۔ مہنگے قالین، پردے، کرسٹل کے آرائشی پیس، نوادرات، نایاب آئینے، بیش قیمت پینٹنگز، وہ گھر ہر طرح سے شاندار تھا۔

"ویل کم!" زل نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ دونوں کا استقبال کیا۔ باسل سے نظریں ملیں تو اس کی آنکھوں میں پہچان کا ایک رنگ آکر چلا گیا۔ مگر وہ رنگ بے کیف تھا۔

"آپ کیا لینا پسند کریں گے۔"

"ان تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں مس زل۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہے۔ آپ سمجھ سکتی ہیں۔"

"جی۔ لیکن۔۔۔"

"آپ بتایئے آپ کے ڈیڈ کہاں ہیں۔"

"وہ لائبریری میں ہیں۔ صبح سے وہیں ہیں۔ میرے خیال سے کنسلٹینسی کے لیے وہ جگہ ہی مناسب ہے۔"

"یو آر رائٹ۔" یشار اٹھ کھڑا ہوا تو زل نے میڈ کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں ڈیڈ کے پاس لے جائے۔

"اس دوران آپ میرے بھائی کو اپنا سارا گھر وزٹ کرائیں۔ یہ بھی علاج کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہوپ یو انڈر اسٹینڈ۔ باقی آپ کو باسل سمجھا دے گا۔" یشار نے کہا اور میڈ کے پیچھے چلتا چلتا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے۔ زل بند کھڑکی سے پار دیکھتی رہی۔

"یہ کام پہلے بھی بہت بار ہو چکا ہے۔ لیکن میں مسٹر یشار کے طریقہ علاج میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔" باسل اس کے جواب میں کچھ نہ بول سکا تھا۔

"آپ کے خیال میں کیا اشیا اور رنگ مزاجوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔" وہ پوچھنے لگی۔

"میں نفسیات کا ڈاکٹر نہیں ہوں۔ ان باتوں کو یشار

مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ مجھے تو وہی کرنا ہے جو اس نے کہا ہے' لیکن آپ کی بات کے جواب میں' میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ہاں۔۔۔ اشیا اور رنگ مزاجوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے والدین سے منسلک کچھ چیزیں جنہیں دیکھ کر ہم اداس ہو جاتے ہیں۔ قبریں جو ہمیں خوف زدہ کر دیتی ہیں' سفید رنگ جو کفن کی یاد دلاتا ہے' کسی خاص رنگ کے پھول جو اچھے یا برے وقت کے امین ہوتے ہیں اور اس اچھے برے وقت کو جاننا ہی علم نفسیات کہلاتا ہے۔"

زل جیسے اس کی باتوں سے متاثر ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لمبی راہداری پار کر کے اسے ڈیڈ کے کمرے تک لے آئی۔

"یہ ڈیڈ کا روم ہے۔" ہینڈل گھما کر اس نے دروازہ کھول دیا۔

"ایکوا گرین اور اس کے فیملی رنگوں سے منسلک۔۔۔ ڈاکٹر تھامس نے ریکمنڈ کیے تھے یہ رنگ۔۔۔ ذہن کو پرسکون کرنے کے لیے۔۔۔" باسل ہر چیز کو ڈائری میں لکھنے لگا۔

"شیلف میں رکھے یہ کھلونے ڈاکٹر جیمز کی تجویز تھی۔۔۔ ان کا خیال تھا کہ کھلونے انسان کو اس کے بچپن کی یاد دلا دیتے ہیں اور اس کا دل فرشتے جیسا معصوم ہو جاتا ہے۔" وہ رکی پھر بولی۔ "وال کلاک۔۔۔ کارٹنز۔۔۔ مرر۔۔۔ کوئی بھی چیز ڈیڈ کی یا میری چوائس کی نہیں ہے۔ یہ روم ڈاکٹرز کی اصلاحوں سے بھرا ہوا ہے۔" باسل لہجے کے اتار چڑھاؤ پر چونک گیا۔

"سوری۔۔۔ میں تھوڑی جذباتی ہو گئی۔" وہ آنکھ میں آئے آنسو کو صاف کرنے لگی۔

باسل چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "اب تک آپ کتنے ڈاکٹرز سے علاج کروا چکی ہیں۔"

"لاتعداد۔۔۔" باہر نکل کر اس نے دروازہ بند کیا۔

"کیا گھر میں کچھ ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو دیکھ کر آپ کے ڈیڈ کچھ سوچتے ہوں۔ دیکھ کر رکتے ہوں۔ غصے میں آ جاتے ہوں یا کسی بھی طرح کا دوسرا رویہ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ اور اگر ایسی کوئی چیز ہے بھی تو میرے علم میں نہیں ہے۔" وہ چلتے چلتے رکی۔ "یہ ڈرائنگ روم ہے۔۔۔ ڈیڈ کبھی یہاں بیٹھا کرتے تھے' لیکن کافی عرصے سے اب وہ اپنے کمرے میں ہی کھانا کھا لیتے ہیں۔"

"کیا کچھ چیزیں اتنی پرانی ہیں کہ آپ کے ڈیڈ کے ماضی سے جڑی ہوں۔"

"تقریباً" ناممکن کی حد تک۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ ممی ہر دو سال بعد پورے گھر کی ایک ایک چیز کو تبدیل کر دیا کرتی تھیں۔"

"فنشکس کا شوق کسے ہے۔"

"میری ممی کو ہی۔"

"وہ اب۔۔۔"

"وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔" لمحے بھر کی خاموشی اس کے لبوں پر آئی اور درشتی آنکھوں میں' دونوں کی علیحدگی ہو چکی ہے۔" باسل نے کسی قسم کا رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ گھر کا ہر پورشن گھوم لینے کے بعد وہ دونوں واپس پہلے والے کمرے میں آ گئے تھے۔

"آپ کا گھر کافی بڑا ہے۔۔۔ ایک دن میں مکمل وزٹ نہیں کیا جا سکتا۔" یشار کی مطلوبہ معلومات تک کے لیے تو بالکل نہیں۔" تھوڑی دیر بعد یشار بھی وہیں آ گیا تھا۔

"اب ہمیں اجازت دیں۔" وہ بیٹھا نہیں تھا۔

"کیا کچھ بہتری کے چانسز ہیں ڈاکٹر یشار؟"

"کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے۔۔۔ نفسیات کی اصطلاح کی بہت ساری ایسی باتیں ہیں جنہیں آپ نہیں سمجھ سکتیں' لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایک طرح کا جذباتی عدم توازن ہے۔۔۔ آپ کو ان کو ہر وقت اپنے خلوص کا احساس دلاتے رہنا پڑے گا۔ ڈاکٹرز تھراپی اور ریلیشن تھراپی میں بہت فرق ہے۔ یہ دونوں تھراپیز الگ الگ طریقوں سے مریض پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان کے نتائج بھی حیران کن حد تک مختلف ہوتے ہیں۔ لیٹس سی کہ آگے کیا بہتری آتی ہے۔"

یشار کی کسی بھی بات کا زل پر جیسے اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

وہ اداس ہو گئی تھی اور اس کی اداسی کو دیکھ کر باسل کو دکھ ہوا تھا۔ وہ ان معاملات میں ایشار سے یکسر مختلف تھا۔

دونوں جب اس محل نما گھر سے باہر نکلے تو دن اپنا پہناوا بدل چکا تھا۔

"کیا واقعی بہتری کے کوئی چانسز نہیں ہیں۔" باسل نے کار میں بیٹھ کر ایشار سے پوچھا۔

"مریض صرف اپنی بیٹی کے لیے کنسلٹینسی پر آمادہ ہوا ہے تو آگے تم خود ہی صورت حال کا اندازہ لگا سکتے ہو کہ لائبریری میں مجھ پر کیا گزری ہو گی۔"

"تو کیا اب تم کل نہیں جاؤ گے۔" وہ پریشان ہو گیا۔

"نہیں، جاؤں گا۔ اپنی آخری حد تک تو کوشش جاری رکھوں گا۔" اس نے تھوڑا توقف کیا۔ "تم زل سے ہر وہ معلومات حاصل کر لو جو کر سکتے ہو اور جتنا وہ جانتی ہے۔" اگلے دن کا شیڈول اس نے باسل کو سمجھایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ کے گرینڈ فادر کی ڈیتھ کب ہوئی تھی؟" اگلے روز باسل نے بلا تمہید زل کو ساری بات بتادی تھی۔ اور جسے سن کر وہ زیادہ حیران نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے اندازہ تھا کہ اس بار بھی ایسا ہی ہو گا۔ ڈیڈ کا رویہ باقی ڈاکٹرز کے ساتھ بھی ایسا ہی رہا ہے۔" وہ خود سے کہنے لگی۔ پھر بڑی دیر کے بعد اس نے باسل کی بات کا جواب دیا تھا۔

"میرے گرینڈ فادر کی ڈیتھ ڈیڈ کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔"

"اور آپ کی گرینڈ مدر؟"

"میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا۔ ڈیڈ نے بتایا تھا کہ ان کے فرانس شفٹ ہونے سے پہلے وہ بھی ہمیشہ کے لیے انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔"

"فیملی کے دوسرے لوگ؟"

"ڈیڈ اکلوتے تھے، میں اپنے کسی رشتے دار کو نہیں جانتی۔"

"پہلی بار آپ نے ان کے رویے میں تبدیلی کب محسوس کی تھی؟"

"چار سال پہلے۔ جب ممی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔" وہ رکی۔ "ڈیڈ کو ممی سے بہت محبت تھی۔"

"ان کی علیحدگی کی وجہ۔؟" باسل نے پوچھا تو تیز روشنی میں زل کی آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسو اس سے چھپے نہ رہ سکے۔

"انہیں ڈیڈ کے دوست پسند آگئے تھے۔ شادی کے سولہ سال بعد۔ اور انہوں نے ڈیڈ سے طلاق لے کر ان سے شادی کر لی۔ ڈیڈ اور ان کے دو اور دوستوں نے فرانس آکر ایک کمپنی کھولی تھی۔ وہ کمپنی اب تقریباً" تباہ ہو چکی ہے۔ ان کے ایک دوست کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور ایک اپنا حصہ الگ کر چکے ہیں۔ باقی جو رہ گیا ہے ڈیڈ اسے سنبھالنے کے قابل نہیں رہے۔" بولتے بولتے اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

"مس زل۔۔۔!"

"نہیں، آپ جاری رکھیں۔۔۔ یہ سب اگر ڈیڈ کی صحت میں بہتری لا سکتا ہے تو مجھے برداشت کرنا ہو گا۔"

اس نے تیزی سے اپنی ہتھیلیوں سے آنکھیں صاف کی تھیں، لیکن باسل اس دن مزید کچھ بھی نہ پوچھ سکا تھا۔

اگلے دن باسل نے اسے سیمینار کی تقریب میں دیکھا اور اسی دن اسے پتا چلا تھا کہ جس این جی او کے اشتراک سے سیمینارز ہو رہے ہیں، وہ بھی اسی کی ایک رکن ہے۔ وہ ایک کونے کی ٹیبل پر سب سے الگ تھلگ ارد گرد سے بالکل لاتعلق سی ہو کر بیٹھی تھی۔ جیسے اپنی پیدائش سے لے کر اب تک کسی سے ہم کلام ہی نہ ہوئی ہو۔ اپنی ہم عمروں سے بھی اس کے ملنے کا انداز 'پہلی بار کی ملاقات جیسا انداز لیے ہوئے تھا۔ باسل اس کے قریب آیا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لگتا ہے آپ کو فرینڈز بنانے کا شوق نہیں۔"

"شوق تو ہے پر وقت نہیں۔۔۔ میں گھر سے کم ہی باہر نکلتی ہوں۔" پنک باربی کی آنکھیں پنک ہو گئیں۔

"مس زل آپ پریشان مت ہوں۔۔۔ یشار۔۔۔"

"کیا ڈاکٹر یشار آپ سے اس موضوع پر بات کرتے ہیں۔" اس نے اسے درمیان میں ٹوکا۔

"آپ خود بھی اس سے اس مسئلے پر بات کر سکتی ہیں۔ یشار سنجیدہ طبیعت کا مالک ہے، مگر اتنا بھی نہیں کہ آپ کو تسلی نہ دے سکے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا مسٹر باسل۔۔۔ دراصل مجھے لگا کہ شاید وہ مجھے کسی آس میں رکھ رہے ہوں، مگر آپ سے نیوٹرل ہو کر بات کرتے ہوں۔"

"یشار پرسنل اور پروفیشنل کو آپس میں مکس نہیں کرتا۔۔۔ اپنے اسسٹنٹ کے طور پر وہ جتنا کچھ مجھ سے شیئر کرتا ہے، وہ کچھ ایسا بھی خاص نہیں اور انجام کار کے طور پر وہ کیا سوچتا ہے، اس بات کا اندازہ تو میں کبھی نہیں لگا سکتا۔" باسل کی باتیں سن کر وہ جیسے مزید مایوس ہو گئی تھی۔

تین دن بعد دونوں کو مارسیلے کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ہفتہ بھر کے لیے۔ جب باسل نے زل کو اپنے مارسیلے جانے کے بارے میں بتایا تو اس کا چہرہ حیرت سے عاری تھا۔

"این جی او کے تحت ہونے والے سیمینارز کے شیڈول کا مجھے علم ہے۔۔۔ مارسیلے کے بعد آپ لیون جائیں گے۔۔۔ میرے تمام کولیگ بھی مارسیلے جا رہے ہیں، لیکن افسوس پچھلی بار کی طرح میں اس بار بھی ان کے ساتھ نہیں جا سکتی۔" شام کی اداسی لیے وہ گویا ہوئی اور باسل کا دل چاہا کسی بھی طرح کر کے وہ زل کو بھی اپنے ساتھ مارسیلے لے جائے۔

☆ ☆ ☆

"ٹھک۔۔۔ ٹھک۔۔۔" دروازے پر ہوتی دستک نے اس کا دھیان اپنی طرف کھینچ لیا۔

"دروازہ کھولو۔۔۔" آواز آئی تھی۔

اس نے سن لی۔۔۔ پر وہ اٹھی نہیں۔۔۔ چوبی دروازے کو تکتی رہی۔

"دروازہ کھولو نگار بیٹی۔۔۔" اس کے ساتھ ساتھ جیسے وقت نے بھی کروٹ بدلی تھی۔

دیار کی پلائی شیشم کے تختوں میں ڈھلی۔ لاک نے کنڈی کی جگہ لے لی۔ اور اندھیرے سے ڈھکے درودیوار نے شورش کو گلے لگا لیا۔

"دروازہ کھولو نگار بیٹی۔۔۔" زلیخا بی بول رہی تھیں۔

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"اتنی دیر لگا دی تم نے تیار ہونے میں۔۔۔ وہاں ڈھولک بجنا بھی شروع ہو گئی ہے۔ عاصمہ بے چاری دو دفعہ بلاوا۔۔۔"

"کیسی لگ رہی ہوں۔۔۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ زلیخا بی بولتے بولتے رک گئیں۔

انہوں نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ سنہرے جھمکے، سبز پراندے، پیلے سوٹ، سرخ لپ اسٹک کے ساتھ لائٹ میک اپ اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ کھسہ اور پازیب۔۔۔ رشک زلیخا بی کی آنکھوں میں بھر گیا۔

"بہت پیاری۔۔۔" آگے بڑھ کر انہوں نے اس کی نظر اتاری اور یہ بھی انہیں کم لگا۔

"آپ چلیے، میں بس آ رہی ہوں۔" وہ پھر سے آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"جلدی آ جاؤ۔۔۔ ہمایوں ناراض ہو رہا ہے۔"

"بس دو منٹ۔۔۔"

زلیخا بی باہر چلی گئیں۔ جب وہ دو کے بجائے دس منٹ لگا کر باہر نکلی تو ہمایوں کے چہرے پر بے زاری صاف نظر آ رہی تھی۔ یہ اس کی نوازش تھی کہ اس نے کچھ کہا نہیں اور دونوں کو عاصمہ کے گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ تقریب کافی دیر پہلے شروع ہو چکی تھی۔ وہ بھاگی بھاگی عاصمہ کے کمرے کی طرف گئی۔

"اتنی دیر سے آئی ہے۔" عاصمہ نے روہانسی ہو کر شکوہ کیا۔

"کیوں۔۔۔ کیا نکاح ہو گیا؟" اس نے پریشانی سے

پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" عاصمہ شرمائی۔ نگار نے جلدی جلدی پاس پڑے گجرے اسے پہنائے تھے۔

"اتنی جلدی میں کیوں ہے۔" عاصمہ نے ذومعنی پوچھا۔ نگار نے جیسے سنا ہی نہیں۔ پھولوں کا سارا زیور اسے پہنا کر وہ اٹھ گئی۔

"میں آنٹی سے مل کر آئی۔"

"حسن بھائی کا نام تو نے آنٹی رکھ دیا ہے۔" عاصمہ نے کہا تو نگار گڑبڑا گئی۔ کمرے میں عاصمہ کی کزنز بھی بیٹھی تھیں۔ عاصمہ کی بات پر سب ہنسیں تو شرمندگی سے بچنے کے لیے وہ باہر نکل آئی۔

آنٹی سے مل کر وہ نجانے کیا تلاش کرتے کرتے پورا گھر دوبار گھوم چکی تھی جب پچھلے صحن کی طرف سے واپس آتے وقت کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کیا اور وہ جیسے نیند سے جاگ کر چونکی۔

"اوف۔ حسن۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" حسن کے سینے سے ٹکرا کر واپس ہوتے ہوئے وہ اپنا سانس بحال کرنے لگی۔ حسن کی آنکھیں اسے دیکھ کر محبت سے جگمگا اٹھیں۔

"ڈرا تو تم نے مجھے دیا ہے۔ اتنا خوب صورت لگنے کی تمہیں آخر کیا ضرورت تھی؟" وہ شرارت سے کہنے لگا۔ نگار اس کی روشن آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"گجرے نہیں پہنو گی۔" اس نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بنا ہی اپنی جیب سے گجرے نکال کر اس کے آگے کیے۔ نگار نے خاموشی سے اپنی خالی کلائیاں آگے کر دی تھیں۔ حسن نے گجرے اس کے ہاتھوں پر ایسے باندھے جیسے کوئی بہت ہی مشکل کام کر رہا ہو۔ ساتھ ساتھ وہ مسکراتا ہوا اسے بھی دیکھ رہا تھا اس کے مہندی لگے ہاتھوں کو بھی۔ "اب ہاتھ چھوڑ بھی دو کوئی دیکھ لے گا۔"

"دیکھنے دو۔" اس نے ہاتھ نہ چھوڑے۔

"بدنامی ہو جائے گی۔"

"میں سنبھال لوں گا۔" وہ مڑی پھر پلٹی۔ اس کے روشن چہرے پر یک لخت ہی اداسی چھائی تھی۔

"تم نہیں سنبھال سکو گے حسن۔ تم کچھ بھی نہیں سنبھال سکو گے۔ ابو کبھی نہیں مانیں گے۔"

"آج کے دن تو ایسی باتیں مت کرو۔"

"تو پھر کس دن کروں۔ تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میرے لیے ایک ایک دن گزارنا کس قدر مشکل ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں جاب تلاش تو کر رہا ہوں نگار۔"

"کون سی ایسی جاب تلاش کر رہے ہو تم حسن۔ جو پچھلے چار سالوں سے تمہیں مل ہی نہیں رہی۔" حسن خاموش رہا۔

"ابو نے مجھ پر بہت محنت کی ہے حسن۔ تم جانتے ہو۔ انہوں نے اپنے منہ کے نوالے مجھے کھلائے ہیں۔ ہمایوں بھائی کا حق مجھے دیا ہے۔ وہ مجھے ایسے لڑکے کے ہاتھ کبھی نہیں سونپیں گے۔ جس کے لیے میں بوجھ بن جاؤں۔ جو مجھے ڈھنگ سے دو وقت کی روٹی نہ کھلا سکے۔" اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

"میں باہر جانا چاہتا ہوں نگار۔ میں امریکا جا کر کام کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں سیٹ ہونا چاہتا ہوں۔"

"تم کوشش کر چکے ہو۔ اور ناکام بھی ہو چکے ہو اور اب باہر جانے کا بھلا وقت ہی کہاں رہ گیا ہے۔ ابو جلد از جلد میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ تاسف سے کہنے لگی۔

"بس تم پریشان نہ ہو نگار۔ میں جلد ہی کچھ کر لوں گا۔" حسن نے اس کا بازو پکڑ کر اسے پھر اپنی طرف کھینچا تھا۔

"تمہاری یہ سیرابی باتیں مجھے بنجر کر دیں گی حسن۔"

"کہا نا کچھ کرتا ہوں۔ آج تو ایسی باتیں نہ کرو۔" وہ پیار سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

اس سے بہت ہی کم فاصلے پر کھڑی نگار نہیں جانتی تھی کہ ان دونوں کی یہ گفتگو کوئی تیسرا بھی سن رہا ہے۔ وہ تیسرا زیان عالم تھا۔ نگار کا کلاس فیلو۔

٭ ٭ ٭

"یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔" باسل نے ایک

شاپنگ بیگ زل کی طرف بڑھایا۔
"یہ کیا ہے؟"
"خود ہی دیکھ لو۔"
زل نے شاپنگ بیگ تھام کر اسے کھولا۔ اندر سے ایک باکس نکلا اور اس کے بھی اندر سے ٹشو پیپر میں لپٹی کوئی چیز۔
"تمہیں اس کی ضرورت ہے۔" باسل نے کل رات ہی اسے خریدا تھا۔ مال آف فلاورز سے۔ ایک کیمل بون آئٹم۔ جس پر بغداد لوی انداز سے کندہ کاری کی گئی تھی۔ اگرچہ وہ کافی مہنگا تھا' مگر پھر بھی باسل نے اسے زل کے لیے خرید لیا تھا۔
"اچھا لگا۔؟"
"یہ فریب کی حد تک خوب صورت ہے۔"
"میری نانو کہتی ہیں' جس گھر میں اونٹ کی ہڈی ہو' وہاں مصیبت اور پریشانی نہیں آتی۔" باسل نے پر اعتماد لہجے میں نانو کی کہی بات کی تو کیمل بون کے منقش آرائشی پیس سے نظریں ہٹا کر زل نے باسل کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں رشک تھا۔
"کتنے عجیب لوگ ہیں یہ۔ ایک طرح سے خوش قسمت بھی۔۔۔ ایسی باتوں پر اعتقاد قائم کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو واقعی رنج و غم سے بچا لیتے ہیں۔" اس نے دل میں سوچا تھا۔
"اس کے لیے تمہارا بہت بہت شکریہ باسل۔۔۔ مگر میں تمہاری نانو کی بات سے اتفاق نہیں کروں گی۔"
"ان باتوں کے سائنسی دلائل نہیں ہوتے۔۔۔ یہ تو بس۔۔۔" باسل خاموش ہو گیا۔ زل جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک قریبی الماری کی طرف بڑھی تھی۔
"ادھر آؤ۔" باسل کے وہاں پہنچنے پر اس نے الماری پوری کھول دی۔ اندر بیش قیمت نوادرات کا ایک ذخیرہ جمع تھا۔ باسل دیکھتا رہ گیا۔ دو الماریوں میں پوری دکان سمائی ہوئی تھی۔ زل ان نوادرات کے درمیان سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چن چن کر اکٹھے کرتے ہوئے اسے پکڑانے لگی۔ جب باسل کے ہاتھوں میں آٹھ دس ٹکڑے اکٹھے ہو گئے تو وہ رکی۔

"جانتے ہو' یہ سب کیا ہیں۔" باسل جانتا تھا۔ وہ تمام کے تمام ٹکڑے کیمل بون تھے۔
"ڈاکٹر برائن نے سال بھر پہلے چیدہ چیدہ نوادرات کو اس الماری میں قید کروا دیا تھا۔ یہ ان کا طریقہ علاج تھا' لیکن یہ چیزیں باہر رہ کر بھی کوئی فائدہ نہ دے سکے اور نہ ہی اندر قید ہو کر۔" باسل خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔
"عقیدے سچے ہوں یا جھوٹے' لیکن مصیبتوں کو اونٹ کی ہڈیوں سے نہیں روکا جا سکتا باسل۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ باسل نے تمام ٹکڑے کارنس کی شیلف پر رکھ دیے۔
"زل! تم پریشان مت ہو۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" باسل کی بات پر زل نے سر جھٹکا۔
"میں یہ فقرہ بہت بار سن چکی ہوں باسل۔"
"یشار نفسیات میں بہت ماہر ہے وہ یقیناً"۔
"ڈیڈ کا مرض ایڈز سے زیادہ لاعلاج ہو چکا ہے۔" اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔
کسی حد تک زل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ایک ماہ میں پندرہ دن کی کنسلٹینسی کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آئے تھے۔ حالانکہ اس بات کی یشار کو قطعاً" امید نہیں تھی۔
"یہ ایک طرح کا گلٹ ہے' ایک طرح کا احساس جرم' جیسا آپ سوچتی ہیں ویسا کچھ نہیں ہے۔ انہیں اپنی بیوی کی بے وفائی یا اپنے دوست کی دھوکے بازی کا غم نہیں ہے۔ کچھ اور ہے۔ جو وہ بتانا نہیں چاہتے' لیکن میں جلد ہی اس تک پہنچ جاؤں گا۔ مریض کو راضی کرنا مشکل ہے پر ناممکن نہیں۔"
"لیکن آپ تو چند دن بعد پاکستان واپس جا رہے ہیں۔"
"ہم اسکائپ پر بات کر سکتے ہیں۔۔۔ اس نقطے تک ہمیں پہنچنا ہو گا جہاں سے دائرے بننے شروع ہوئے تھے۔" زل نے زیادہ امید نہیں پکڑی تھی۔
باقی کے دن بھی یوں ہی بے یقینی میں گزرتے گئے۔ وہ ان کا فرانس میں آخری دن تھا اور زل کے گھر

آخری کنسلٹینسی۔۔۔ جب زل نے ڈنر کا اہتمام کیا اور جس میں ڈیڈ نے بے حد اصرار کے باوجود بھی شرکت نہیں کی تھی۔

"تم زل کو بروشر میں درج ساری ہدایات اچھی طرح سمجھا دو۔" یشار نے جاتے ہوئے باسل سے کہا تو باسل نے اس کا بیگ کھول کر اس میں سے لاتعداد بروشر نکال لیے۔

"یشار کی غیر موجودگی میں یہ تمہیں فائدہ دیں گے۔" وہ زل کے ساتھ کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ اس بروشر میں ٹی وی چینلز سے متعلق ساری تفصیل درج ہے۔ نیوز چینلز سمیت چینلز تو بالکل بند کرنے ہوں گے۔ مزید تم اسے خود اچھی طرح پڑھ سکتی ہو۔" اس نے وہ بروشر زل کو پکڑا دیا۔

"اس والے میں گھر کے لیے ضروری ہدایات درج ہیں۔ وال کلر' فرنیچر کلر' پردے' بیڈ شیٹ' ایوری تھینگ۔" وہ بولتا جا رہا تھا اور زل توجہ سے ساری باتیں سن اور سمجھ رہی تھی حالانکہ صرف چند باتوں کے علاوہ باقی ساری باتیں اس کے لیے پرانی تھیں۔

"یہ بروشر سب سے اہم ہے۔ یہ ری ایکشن کے لیے ہے۔ اس پر تم نے سختی سے عمل کرنا ہے۔ صبر اور تحمل سے۔" وہ انگلی رکھ کر اسے ایک ایک بات سمجھا رہا تھا اور اس ساری تفصیل کو اس تک پہنچاتے ہوئے وہ غیر ارادی طور پر اس کے بے حد قریب ہو گیا تھا اتنا کہ اس کے سانسوں کی مہک کو زل نے بہت قریب محسوس کیا اور اس کے وجود سے اٹھتی کلون کی خوشبو نے زل کو اپنے حصار میں لے لیا۔ سنتے سنتے اور سمجھتے سمجھتے وہ محسوسات کی ندیوں میں ڈوبنے لگی۔

یہ لمحہ اس کی زندگی کے تمام لمحوں سے جدا تھا اور اس لمحے کے سنہری پھول اس کے وجود کو ڈھانپنے لگے تھے۔ عین اس وقت جب زل اس کی ذات کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی۔ باسل نے بھی جان لیا کہ زل اسے سن نہیں رہی ہے۔ وہ کچھ سمجھ بھی نہیں رہی ہے۔ وہ خاموش ہو گیا۔

عجیب تعلق بنا تھا ان دنوں میں بھی۔۔۔ اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا' لیکن پھر بھی ہر تعلق اس کے نام سے منسلک ہو گیا تھا۔ وہ اس کی اچھی دوست بھی نہیں بن سکی تھی اور سب کچھ بن گئی تھی۔

دونوں آہستگی سے تب چونکے تھے جب کمرے کا گھڑیال سناٹے میں بولا تھا۔

زل کو خدا حافظ کہتے وقت وہ خود بھی زل کی طرح اداس ہو گیا اور پھر پاکستان واپسی کے سفر میں تمام وقت اسے ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے وہ اپنی کوئی بہت ہی قیمتی چیز فرانس میں کھو چکا ہے۔

☼ ☼ ☼

"سر زیان۔۔!" میڈ نے چیخ کر انہیں پکارا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھے بری طرح کانپ رہے تھے۔ میڈ جلدی سے ان کی طرف بڑھی۔

"دور ہو جاؤ۔۔۔ دور رہو مجھ سے۔۔۔" وہ چلائے۔ میڈ نے جیسے سنا ہی نہیں گلاس میں پانی بھر کر انہیں پلانے لگی۔ گھبراہٹ کی وجہ سے کافی پانی ان کے اوپر ہی گر گیا۔

"ڈیوڈ' ڈینیئل۔۔۔" میڈ نے چلاتے ہوئے گھر کے دوسرے ملازموں کو آواز دی تھی۔

"میں کہتا ہوں دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔" انہوں نے میڈ کو دھکا دیا تو گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر کر ٹوٹ گیا۔ میڈ بھاگتی ہوئی دوسرے ملازموں کو بلانے کمرے سے باہر چلی گئی۔ کانپتے وجود کے ساتھ انہوں نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ بند کیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد زل کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔

"ڈیڈ! دروازہ کھولیے۔۔۔ خدا کے لیے دروازہ کھولیے۔" زل چلاتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔ انہوں نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ بیڈ پر گر کر اپنے حواس بحال کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔ ان کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔

دروازہ بج رہا تھا۔۔۔ بار بار۔۔۔ بار بار۔۔۔ زل اب روتے ہوئے انہیں پکار رہی تھی اور وہ بے حس و حرکت لیٹے چھت کو گھور رہے تھے۔

"تحت الشعور اندھیروں کو سمیٹ لینے کا عادی ہوجائے تو شعور بھی روشنیوں سے نالاں رہنے لگتا ہے۔" زنل کے بے حد اصرار پر وہ ڈنر کے لیے باہر نکل رہے تھے تب ڈاکٹر یشار کے ان الفاظ نے ان کا راستہ روک لیا تھا اور ان کی روح کو بھی جیسے قید کرلیا تھا۔

ایسی باتیں وہ پہلے بھی کہیں سن چکے تھے۔ ایسی باتیں کوئی اور بھی کیا کرتا تھا۔

کون کیا کرتا تھا۔۔۔؟ ان کا دماغ پھٹنے لگا سوچتے سوچتے۔

ربانی۔۔۔ پروفیسر صغیر ربانی۔۔۔

☆ ☆ ☆

"مکڑی نوزائیدہ شکار کے گرد جالا بن دے تو آسمان بجلی کی کڑک سے گونج اٹھتا ہے۔" پروفیسر صغیر ربانی لیکچر دیتے دیتے ہمیشہ کی طرح نجانے کہاں سے کہاں پہنچ چکے تھے۔ "یہ اشارہ ہے۔ خدا کا۔ کہ قدرت ابھی زندہ ہے۔ انصاف کا خون نہیں ہوا۔" وہ مسکرا کر مزید بولے۔

حسب عادت ان کی باتیں کتابوں سے شروع ہو کر آسمان والے پر جاکر ختم ہوئی تھیں۔ وہ فلسفے کے پروفیسر تھے اور انہوں نے وجودیت کا اتنا علم حاصل کرلیا تھا کہ لیکچر کے علاوہ ان کی روزمرہ کی گفتگو بھی عام انسانوں کی سمجھ میں آنے والی نہیں رہ گئی تھی۔

وہ تخیل ہی تخیل میں کسی اور ہی دنیا میں پہنچے، پروفیسر صغیر ربانی کو نرم آواز سے لیکچر دیتے' پورا ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ کلاس کو نیند آنے لگی تھی۔

"برگد جونشان خدائی ہے۔۔۔ ہمیں پتا ہے وہ راز جو الوہیت کی طرف لے کر جاتے ہیں۔"

کھلی آنکھوں سے پوری کلاس سو رہی تھی۔ کوئی اپنی ہی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے مدہوش تھا۔ کوئی چیئر پر سر پیچھے ڈالے' سوائے نگار کے جو بڑے غور سے پروفیسر صغیر ربانی کے منہ سے نکلتا ایک ایک لفظ ازبر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پوری یونیورسٹی میں وہ پروفیسر صغیر ربانی کی واحد مداح تھی۔ ان کی الجھی ہوئی باتوں سمیت۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ ہفتے کے چھ دن' وہ اس پیریڈ کو لازمی کروا دے اور جب یہ پیریڈ شروع ہو تو اس کے ختم ہوجانے کی بیل کو بھی بجنے سے رکوا دے۔

پچھلی چیئر پر بیٹھا زیان عالم بھی بے چینی کا شکار ہو رہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد چوتھے پیریڈ کے آف ہوجانے کی بیل گونجی تو پروفیسر صغیر ربانی نے اپنی عینک کو اتار کر کیس میں رکھا اور کتاب بند کی۔ حالانکہ کھلی کتاب کی انہیں بالکل بھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سب کچھ اپنی طرف سے ہی تو کہہ رہے تھے۔

پروفیسر نے جاتے جاتے بھی بہت ٹائم لے لیا۔ ہمیشہ کی طرح۔ اور ان کے جاتے ہی اسٹوڈنٹ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے۔ نگار بھی اٹھ کر اپنی کتابوں کو بیگ میں ڈال رہی تھی جب اس نے آواز کی۔

"نگار۔۔۔" اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہ زیان عالم تھا۔ جسے دیکھ کر نگار کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

"ابھی جانا نہیں۔۔۔" اس نے کہا۔ نگار نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کتابوں کو بیگ میں ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ اس کا ارادہ بھانپ کر زیان تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

"کیا تم اپنے قیمتی وقت میں سے مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہو؟" وہ کسی قدر غصے سے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر ادا کرتے ہوئے نگار سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ بولو۔" دائیں بائیں دیکھتے وہ بولی۔ جیسے اسے توجہ نہ دینا چاہتی ہو۔

"میں تمہیں انوی ٹیشن دینے آیا ہوں۔ ایک بار پھر سے۔۔۔ اپنی پارٹی میں شمولیت کی۔۔۔ تم سوچ سمجھ کر۔۔۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔۔۔ پھر سے۔۔۔ میری

طرف سے صاف انکار ہے۔" وہ آگے بڑھی۔ زیان نے اپنا ہاتھ آگے کر کے اس کا راستہ پھر سے روکا تھا۔

"کیا میں تمہارے اس اٹل انکار کی وجہ جان سکتا ہوں۔" اس کی گھنی بھنویں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ گئیں۔

"کوئی خاص نہیں۔۔۔ ہر ایک کو حق ہے کہ وہ اپنی پسند اپنے ذہن کے مطابق فیصلے کرے۔"

"تم میری کلاس فیلو ہو کر مصباح کو سپورٹ کر رہی ہو۔"

"میں مصباح کو سپورٹ نہیں کر رہی زیان عالم۔۔۔ میں اس کے موٹو کو سپورٹ کر رہی ہوں۔"

"اس کا موٹو۔۔۔ اوف۔" زیان نے ایک قہقہہ لگایا۔

"پوری کلاس میرے ساتھ ہے نگار۔۔۔ سوائے تمہارے۔"

"یہ کچھ ایسا شاکنگ بھی نہیں ہے۔ مصباح کی کلاس کے بھی بہت سے لڑکے لڑکیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ اسے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہ ہی وہ سب کے پاس جا کر ان سے خود کو سپورٹ کرنے کی بھیک مانگتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو نگار۔" اس کی گردن کی رگ پھول گئی۔

"تم اتنی سادہ سی بات نہیں سمجھ رہے۔۔۔ حیرت ہے۔ خیر ایک میرے تمہاری پارٹی میں نہ ہونے سے تمہیں یا تمہاری پارٹی کو کیا فرق پڑے گا آخر۔"

"تم لائق ہو۔ ٹیلنٹڈ ہو۔ اور اس سے مصباح کو بھرپور فائدہ ہو رہا ہے۔ ہمارے کلاس فیلو یہ فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"سدیم اور یشب بھی کافی ٹیلنٹڈ ہیں۔۔۔ آصفہ، وجیہہ بھی۔"

"تمہاری پارٹی تمہیں اچھی آفر۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں سوچوں گی۔" اس نے جان چھڑانے کی غرض سے کہا۔ اسے پہلے ہی دیر ہو رہی تھی۔ مصباح کے آفس جا کر ابھی اس کو پوسٹر بھی لکھنے تھے۔ زیان ایک بار تو کیا ہزار بار بھی آجاتا تو وہ اس کی پارٹی میں جانے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس معاملے میں اس کی ذاتی انا حائل تھی۔ زیان یونیورسٹی کے اولین دنوں سے ہی اسے سخت ناپسند رہا تھا۔

یہ ایک سال پہلے کی بات تھی۔ یونیورسٹی میں دوسرے دن وہ اپنی دوست زارا کے ساتھ اس کی ایک سینئر دوست سے نوٹس لے کر لائبریری سے نکل رہی تھی جب اس پر بدبودار پانی کی ایک تیز دھار پڑی تھی۔

"سنبھو۔۔۔" اور ساتھ ہی لڑکے لڑکیوں کے گروپ نے انہیں تیزی سے خبردار کیا تھا۔

"یہ پانی نہیں ہے۔ کیروسین آئل ہے۔۔۔ اگر ذرا سا بھی بلیں تو ہم اسے آگ لگا دیں گے۔" زارا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی مگر نگار کا غصہ آسمانوں کو چھونے لگا تھا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔" اس نے پانی کی سرنج پکڑے ایک لڑکے سے چیخ کر کہا تھا۔ جسے بعد میں اس نے زیان عالم کے نام سے ہمیشہ یاد رکھا۔

"کیا ہو گیا یار۔۔۔ مذاق تھا۔" وہ پانچوں قریب آئے۔

"تمہارے مذاق سے میرے نوٹس خراب ہو گئے ہیں۔ خبیث لڑکے!"

"زبان سنبھال کر بات کرو لڑکی۔" زیان آگے آکر بولا۔

"اب ان نوٹس کو تمہارا باپ ٹھیک کرے گا۔"

"اتنی بڑی بات تو نہیں جتنا بڑا تم تماشا لگا رہی ہو۔" گروپ میں سے ایک لڑکی وجیہہ بولی تھی۔ نگار نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یونیورسٹی آنے سے پہلے تمہیں کسی اچھے ادارے سے تمیز سیکھ کر آنا چاہیے تھی۔" اس نے اسے مشورہ دیا۔ وجیہہ ہنس کر خاموش ہو گئی۔

"یہ آئل نہیں صرف پانی ہے۔۔۔ لاؤ میں اسے صاف کر دوں۔" سدیم آگے بڑھا۔

"چھوڑو۔۔۔ ہاتھ مت لگاؤ۔" اس نے نوٹس سدیم کے ہاتھ سے چھینے۔

"چلو چلتے ہیں نگار۔" زارا نے سرگوشی میں کہا تھا۔ جسے گروپ کی لڑکی آصفہ کچھ اور ہی سمجھی۔

"ہاں جاؤ۔ شکایت لگاؤ جا کر ہماری پرنسپل سے۔ میرا نام آصفہ ہے۔ یہ زیان ہے۔ اس کا نام سدیم ہے یہ یشب اور یہ وجیہہ۔ جاؤ جس سے مرضی لگاؤ شکایت۔" وہ لڑکی آصفہ تڑتڑ بولتی گئی تو نگار نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر سر جھٹک کر بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

"باسٹرڈز آف وائے بلاک۔"

یہ بڑبڑاہٹ اتنی بھی مدھم نہیں تھی کہ پانچوں سن نہ سکتے۔

"کیا کہا تم نے۔۔؟" زیان نے غصے میں آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا تھا۔ وہ چند لمحے اس کو دیکھتی رہی تھی۔ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے کہہ دیا۔ "باسٹرڈ آف وائے بلاک"

یہ انداز اور یہ الفاظ زیان کو طیش دلانے کے لیے کافی تھے۔ غصے سے پاگل ہوتے ہوئے اس نے جیب سے لائٹر نکالا تھا اور لمحے بھر میں نوٹس کو آگ لگا دی۔

"لو اب صاف ہو گئے نوٹس۔۔ دوبارہ گالی دینے کی جرات نہ کرنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ نگار نے شعلہ پکڑے نوٹس کو تیزی سے چھوڑا تھا۔ باقی چاروں بھی کھی کھی کرنے لگے۔ زارا فق چہرے سے سب دیکھے گئی۔ زیان غصے سے اسے گھورتا ہوا باقی سب کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور وہ اپنے جلتے نوٹس دیکھتی رہی۔ ارد گرد کے چند ایک لڑکے لڑکیوں نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجرم بن گئی تھی۔

یہ بات اسے آنے والے دنوں میں پتا چلی تھی کہ زیان عالم نہ صرف اسی کی طرح جونیئر تھا بلکہ اس کا کلاس فیلو بھی تھا اور جو اس دن سینئرز کی طرح جونیئرز کو تنگ کر رہا تھا۔ اس بات نے نگار کو اور تپا دیا تھا۔ اس دن کے بعد دونوں میں پھر کبھی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ نگار اسے دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیتی تھی۔ وہ بھی نگار کو نظرانداز کر دیتا تھا۔ کچھ زیان کے لائف اسٹائل نے بھی زیان کو کبھی دوسری لڑکیوں کی طرح نگار کا دل پسند لڑکا نہیں بنایا۔ اس کی گرل فرینڈز آئے دن بدلتی تھیں۔ جو لڑکی مختصر عرصے کے لیے زیان کے ساتھ ہوتی اس کا پوری یونیورسٹی میں چرچا رہتا تھا۔ اس کی حرکتیں بگڑے ہوئے امیرزادوں والی تھیں۔

یونیورسٹی میں ہونے والے الیکشن کی وجہ سے اگرچہ اس کی شخصیت اور لائف اسٹائل میں کافی نمایاں تبدیلیاں ہوئی تھیں، لیکن نگار کو ان تبدیلیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے لیے وہ ہمیشہ پہلے دن والا زیان ہی رہا تھا۔ جس نے ریگنگ کے دوران اس کے نوٹس کو آگ لگا دی تھی۔ یہ آگ کبھی نہ بجھ سکی۔ بارہ مہینے، تین سو پینسٹھ دن اس آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکے تھے۔

الیکشن میں صدر کی حیثیت سے حصہ لینے کے بعد وہ اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے مہینوں پہلے والی حرکت پر اس سے معذرت کی تھی۔ اس کے باوجود نگار نے مصباح کی پارٹی جوائن کر لی تھی اور وہ بڑے دل و جان سے اس کی پارٹی کے لیے کام بھی کر رہی تھی۔

وجیہہ، آصفہ، یشب، سدیم کے بعد زیان بھی ایک بار اس کے پاس آچکا تھا کہ وہ ان کی پارٹی جوائن کرے۔ اور نگار نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اپنے محلے کی سہیلی عاصمہ سے یونیورسٹی کی باتیں کرتے ہوئے اس کی زبان پر زیان کا نام آیا تو عاصمہ چونکی۔

"زیان۔۔ زیان عالم نا۔۔ گورا سا لڑکا ہے۔ بھنویں ملی ہوئی ہیں۔ کالے رنگ کی کار ہے اس کے پاس۔"

"ہاں۔۔ تم جانتی ہو؟"

"میں اور امی۔۔ ان ہی کے گھر تو کام کرنے جاتے ہیں۔" عاصمہ نے بتایا۔

"کیا زیان تمہاری مالکن کا بیٹا ہے۔" نگار نے حیرانی سے پوچھا۔ اسے اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں۔۔ ان کا نام گلناب عالم ہے۔" نگار، عاصمہ کے ذریعے گلناب عالم سے تب سے واقف تھی جب

اس نے۔۔۔ ان کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ عاصمہ ان کی متنازعہ شخصیت کے بارے میں بہت بار بہت کچھ بتا چکی تھی۔

گلناب عالم جوانی کی بیوہ اور ایک بگڑے ہوئے بیٹے زیان عالم کی ماں تھیں۔ اپنی دسترس میں اپنے مرحوم شوہر کا بہت بڑا کاروبار رکھتی تھیں۔ نگار' عاصمہ کی منگنی پر گلناب عالم سے ایک بار مل بھی چکی تھی۔ وہ ویسی ہی تھیں جیسا عاصمہ نے اسے بتایا تھا۔ ایک فل فیشن ایبل لیڈی جو ہر وقت کم عمر لگنا چاہتی ہے اور اپنی کوششوں میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو جاتی ہے۔ باب کٹ بالوں میں اس دن وہ ساڑھی باندھ کر آئی تھیں۔ جس کا بلاؤز بغیر آستین کے اور کافی چھوٹا تھا۔

گلناب عالم کردار کی ہلکی نہیں تھیں۔ وہ بس ذرا آزاد خیال تھیں آوارہ مزاج نہیں۔ اسموکنگ بھی کرتی تھیں۔ ان کے سہیلیوں کے ساتھ ساتھ مرد دوست بھی تھے۔ اور وہ ان سب دوستوں سے کافی زیادہ بے تکلف بھی تھیں۔ ان کے گھر میں آئے دن پارٹیز ہوتی تھیں۔ جن میں شراب کو ممنوع نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیٹ نائٹ تک بیٹھ کر باقاعدہ جوا بھی کھیلا جاتا تھا۔

اپنے لباس کے معاملے میں گلناب عالم بے خوفی کی حد تک لاپروا تھیں۔ جینز' ٹی شرٹ' کوٹ' ساڑھی' اسکرٹ یہ ان کے عام پہناوے تھے اور اس بات سے قطع نظر ان کے دیسی پہناوے بھی خالص مغربی لگتے تھے۔ عموماً" گھر پر کم ہی ملتیں۔ پارٹی کے دن کے علاوہ زیادہ تر وقت گھر سے باہر ہی گزارتی تھیں۔

ان کے گھر کے اس کھلے ڈلے ماحول کے باعث عاصمہ کی والدہ نے اکثر ہی وہاں سے کام چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا تھا' لیکن ان کے گھر کے حالات کبھی ٹھیک نہیں ہوئے تھے اور گلناب عالم انہیں اچھی خاصی تنخواہ دیتی تھیں۔

عاصمہ نے زیان کے بارے جو انکشاف کیا کہ وہ گلناب عالم کا بیٹا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی نگار اس کے نام کے ساتھ اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کو بھی جوڑنے لگی۔ اسے زیان اور اس کی فیملی کے طرز زندگی سے گھن سی آئی تھی اور زیان کے متعلق اس کی ناپسندیدگی مزید بڑھتی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یونیورسٹی کے سرسید احمد خان ہال نمبر دو میں نصب بڑے بڑے لاؤڈ اسپیکر سے نکلتی زیان عالم کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ فائل تھامے تب وہ عقب کے دروازے کے قریب سے گزر رہی تھی۔

آج ہال میں زیان کی پارٹی کا جلسہ ہو رہا تھا۔ کسی بھی طرح کی بدنظمی سے بچنے کے لیے یونیورسٹی انتظامیہ نے دونوں پارٹیوں کے لیے ہال کھول دیے تھے۔ گراؤنڈ میں یا کسی کھلی جگہ میں جلسہ کرنا صورت حال کو خراب کر سکتا تھا۔

اس کا ہال کے اندر جانے کا کوئی ارادہ تو نہیں تھا' لیکن زیان کی تقریر میں اس نے کچھ عجیب سی بات محسوس کی تو وہ سامنے والے دروازے سے اندر داخل ہونے سے خود کو روک نہیں پائی۔ بھیڑ میں جگہ بناتی وہ آگے کو بڑھتی گئی اور کچھ اسٹوڈنٹ تو اسے دیکھ کر خود ہی راستہ صاف کرنے لگے۔

اسٹیج پر' مائیک تھامے وہ ڈائس پر کھڑا اپنے سامنے بیٹھے ایک بہت بڑے مجمع سے مخاطب تھا۔ اس کی باتوں میں جوش تھا' ولولہ تھا۔ کچھ کر گزرنے کی لگن بھی اور اس کا چہرہ اپنے ارادوں کی پختگی سے دمک رہا تھا۔ نگار آگے ہوتے ہوئے اسٹیج کے بالکل قریب ہو گئی۔

"ہم چاہتے ہیں کہ بک فنڈ کا اجراء یونین کے ہاتھوں میں ہو تاکہ اس کے منافع کو طلبہ کی بہبود پر لگایا جائے۔ ہماری پارٹی کا موقف ہے کہ پوائنٹس کی تعداد دگنی ہو۔ یونیورسٹی میں فری ورکشاپس کا انعقاد زیادہ سے زیادہ ہو اور وہ۔۔۔" زیان ایک لمحے کو ٹھہرا تھا۔ چہرے پر پھر سے مسکراہٹ آئی تھی۔ نگار جانتی تھی کہ یہ "وہ" کا لفظ کس کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ مصباح اور اس کے حامیوں کے لیے بولا گیا تھا۔

"اور وہ چاہتے ہیں کہ اینٹ گارے سے کلاسز کے درمیان میں دیواریں کھڑی کی جائیں تاکہ لڑکے لڑکیاں الگ الگ بیٹھ سکیں۔"

فقرہ ختم ہوا تھا اور پورا ہال... قہقہوں سے گونج اٹھا۔

زیان کی تقریر میں یہی وہ عجیب عنصر تھا جسے سننے وہ ہال کے اندر تک آ گئی تھی۔ غصے کی ایک لہر نگار نے اپنے دماغ میں اٹھتی محسوس کی۔ زیان اس قدر گر سکتا تھا مگر اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ براہ راست وار کرنے پر آ گیا تھا۔ قہقہے گویا نیزے تھے جو اسے آ آ کر لگتے گئے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ پرائیویٹ اسٹوڈنٹ کی فیسز کو کم کیا جائے۔ فیس معافی میں گریڈ کے معیار کو کم کیا جائے' ہاسٹل ڈیوز میں سبسڈی دی جائے۔ کینٹین میں وہ نو ٹیکس اشیا مہیا کی جائیں اور..." پھر سے خاموش... ہال تقریر کے بجائے جیسے اس کی اگلی بات کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ نگار کو اپنا غصہ ضبط کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

"اور ان دین کے ٹھیکیداروں کا موقف ہے کہ بینچ پر کوئی لڑکا لڑکی اکٹھے نہ بیٹھ سکے... کوئی بیٹھا مل جائے تو اسے چارج کیا جائے' زدوکوب کیا جائے' سزا دی جائے۔ سب کے سامنے ذلیل کیا جائے۔" وہ جوش میں... بولتا چلا گیا تھا۔

ہال کے تھم چکے قہقہے پھلجڑی کی طرح پھر پھوٹے تھے۔ اس بار خاموشی چھانے میں بڑا وقت لگا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ زیان کے حامیوں کی تعداد دن بدن کس قدر زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ لوگ نئی ہوا کو قبول کر رہے تھے۔ وہ اس مجمع میں شامل بہت سے ایسے گروپس کو جانتی تھی' جنہوں نے پہلے پہل مصباح کو جوائن کیا تھا' لیکن اب زیان کی یونین میں شامل ہو گئے تھے۔

مصباح اور اس کے حامیوں کے مذاق اڑانے والے قہقہے رک رک کر پھر شروع ہوتے اور پھر تھمنے میں نہیں آتے تھے۔ وہ بار بار انہیں دین کے ٹھیکیداروں کے نام سے مخاطب کر رہا تھا۔ نگار کا دماغ گرم ہونے لگا۔ غصہ اس کی آنکھوں میں خون کی طرح اترا ہوا تھا اور اس کے چہرے کے تیور بگڑ گئے تھے۔ اگر اس کے ہاتھ میں اس وقت پستول ہوتی تو وہ شاید زیان کو جان سے مار دینے سے بھی دریغ نہ کرتی۔

"دنیا کی بہترین چھ سو یونیورسٹیز میں ہمیں اس یونیورسٹی کا نام پھر سے درج کروانا ہے۔ اس کے گرتے ہوئے گراف کو پھر سے مستحکم کرنا ہے۔ دین کا نام لے کر ورغلانے والوں کو مات دینی ہے اور اس یونیورسٹی کے خراب ماحول کو درست کرنا ہے۔"

تقریر کا اختتام ہوا تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ آخری بات پھر مصباح کی طرف طنز کر کے کہی گئی تھی۔ تالیاں تھمیں' زیان اسٹیج سے نیچے اترا۔ سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر جانے کے لیے کھڑے ہوئے تھے جب ایک نسوانی قہقہے نے سب کو اپنی اپنی جگہ پر جامد کر دیا تھا۔

یہ نسوانی قہقہہ نگار کا تھا جو بری طرح ہال کے درودیوار سے ٹکرا رہا تھا۔ اور ایسی خاموشی چھا گئی تھی جو زیان کی تقریر کے وقت بھی نہیں تھی۔

نگار کو اپنا یہ خیر مقدم اچھا لگا سو وہ مزید ہنسے گئی۔

زیان سیڑھیاں اتر کر نگار کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہ بات جتانے کے لیے اس کا ساکت چہرہ ہی کافی تھا کہ اسے نگار کا اس طرح ہنسنا کس قدر برا لگ رہا ہے۔ سدیم' عیشب' وجیہہ' آصفہ بھی ساتھ ساتھ کھڑی اسے گھورنے لگی تھیں۔

"دین کا نام لے کر ورغلانے والوں سے کیا مراد ہے تمہاری "زیان عالم؟" ہونٹوں کے کونوں میں مسکراہٹ چھپائے وہ پوچھنے لگی۔

"جو بے بنیاد باتوں کو بڑھاوا دیتے ہیں۔" اس کی آنکھیں باہر آ گئیں۔

"کیا تم ایسا نہیں کرتے۔"

"وہی تو میں کرنے والا ہوں... سب درست..."

"سب درست...؟ تمہیں معلوم ہے سب درست کرنے کا مطلب کیا ہے؟" زیان کو اس کے

لہجے میں چھپے طنز سے آگ لگ گئی۔
"ہاں۔ مجھے سب معلوم ہے۔"
"اگر سب معلوم ہے تو اس درستی کی ابتدا تم اپنے گھر سے کیوں نہیں کرتے۔ اپنی ماں سے۔؟" نخوت سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بولی تھی۔
ہال میں خاموشی نے سناٹے کی صورت اختیار کرلی تھی۔ جیسے پورا ہال ایک خالی میدان ہو اور وہاں کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ ہو۔ زیان کی جامد آنکھوں میں انگارے دہکنے لگے تھے۔
"یو۔" غصے سے وہ اس کی طرف لپکا۔ جب سدیم اور ریشب نے اسے پکڑ لیا تھا۔
نگار پیچھے ہٹی تھی نہ ہی ڈری تھی۔ وہ وہیں کھڑی اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی تھی۔ سدیم اور ریشب نے ہی اس کو کندھے پر دباؤ ڈال کر باہر کی طرف کھینچا تھا۔ وجیہہ اور آصفہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی رہی تھیں۔ زیان جب تک باہر نہیں نکل گیا گردن موڑے اسے گھورتا رہا۔ اور پورے ہال کے چہروں پر اپنے لیے نفرت دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی۔

☼ ☼

"کیا تمہارا ذہنی توازن درست نہیں ہے بچی۔"
مصباح نے چلا کر پوچھا تھا اور اس کے بنائے نئے پوسٹر کو پھاڑ کر پرے پھینک دیا تھا۔ وہ پوسٹر زیان کے خلاف لکھا گیا تھا اور کافی کھل کر لکھا گیا تھا۔
نگار ایک ٹک مصباح کو دیکھتی گئی۔ مصباح کا یہ روپ اس کے لیے نیا تھا۔ وہ پٹھان نسل بڑے ہی نرم انداز میں بات کرنے والا اور لڑکیوں کے سامنے تو بالکل ہی نظریں نیچے کیے رکھنے والا لڑکا تھا' لیکن اب اس کی آنکھیں کے ڈورے اور --- چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ نگار کچھ نہیں بولی۔ اس کے غصے کی وجہ وہ خود تھی۔ اس کی تازہ ترین فتوحات کی خبر باقی سب کو بھی ہو گئی تھی۔ یہ بات اتنی انوکھی' اتنی حیران کن اور غیر متوقع تھی کہ جنگل کی آگ سے بھی زیادہ تیزی سے پھیلی تھی۔ نگار نے نظریں جھکالیں۔

"یہ یونین کے الیکشن ہیں۔ قومی اسمبلی کے نہیں جو تم نے انہیں اپنے اوپر اتنا سوار کرلیا ہے۔"
"وہ آپ کے خلاف بول رہا تھا۔ مذاق اڑایا اس نے ہم سب کا۔ ایک بار نہیں نجانے کتنی بار۔ وہ ہم سب کو طنز سے دین کے ٹھیکیدار کہتے ہیں۔"
"تم کہنے دیتیں اسے۔ جو بھی وہ کہہ رہا تھا۔ کسی کے کچھ کہنے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ ہماری پارٹی کو وقت آنے پر ہم بھی ویسا ہی رویہ اپنا لیتے' لیکن اس طرح ذاتیات پر اترنے کی کیا ضرورت تھی آخر۔؟"
"میری جو سمجھ میں آیا میں نے کہہ دیا۔"
"اپنے پرسنل ایشو صرف اپنے تک رکھو نگار۔!" اس نے تنبیہہ کی۔
"اگر تمہیں اس سے کوئی ذاتی عناد ہے تو اسے ہماری پارٹی کے نام سے منسلک ہو کر مت نکالو۔"
"ایسی بات نہیں ہے۔" اس نے جھوٹ بولا۔ مصباح کو غصہ آیا۔ جیسے وہ اس کو بخوبی جانتا ہو۔
"جو بھی بات ہے۔ کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے کتنی غلط حرکت کی ہے۔ اگر کوئی اس طرح سب کے سامنے تمہارے پیرنٹس کے بارے میں کچھ کہے تو۔ تمہیں کیسا لگے گا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس کے فیملی بیک گراؤنڈ تک تمہیں رسائی کس نے دی۔"
"میں شرمندہ ہوں۔" نظریں اور چہرہ جھکائے مصباح کے پاؤں کو گھورتے ہوئے اس نے کہہ دیا۔ اور جھوٹ نہیں کہا۔ وہ واقعی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔۔۔ مصباح غصہ ہوا تو اس کی شرمندگی مزید بڑھ گئی۔ اسے اندازہ ہوا کہ اس نے واقعی بہت غلط حرکت کی ہے۔
"اس گلٹ کو ابھی دور کرو۔ زارا! تم نگار کو زیان عالم کے پاس لے جاؤ تاکہ یہ اس سے ایکسکیوز کرسکے۔ سب کے سامنے۔" اس نے پہلے نگار کو پھر زارا کو مخاطب کرکے کہا۔ زارا نے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ نظریں جھکائے وہ جیسے مصباح کی بات مان لینے کا عندیہ

دے رہی تھی۔ دونوں زیان کے آفس آئیں تو پتا چلا کہ زیان گھر جا چکا ہے۔

"تم یہ کام کل صبح آتے ہی کرو گی۔" مصباح نے تاکید کی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لیے اسے سزا منظور تھی۔

"اور ایک ہفتے تک تم ہماری پارٹی سے الگ رہو گی۔ کوئی کام نہیں کرو گی۔ کسی جلسے میں شرکت نہیں کرو گی۔ یہ تمہاری پینالٹی ہے۔" زارا نے چونک کر مصباح کو دیکھا تھا اور نگار نے آفس میں بیٹھے باقی سب کو۔

"ٹھیک ہے جیسے تم کہو۔" وہ بے دلی سے گھر واپس آگئی۔ اگلے ایک ہفتے تک اسے ویسے بھی یونیورسٹی نہیں جانا تھا۔ اس کی دوست عاصمہ کی شادی تھی، لیکن اپنی غلطی ہونے کے باوجود بھی مصباح کا رویہ اسے دکھی کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اٹھو زیان۔ مجھے عاصمہ لوگوں کے گھر چھوڑ آؤ۔"

گلناب عالم نے پہلے دروازے پر دستک دی تھی۔ پھر خود ہی دروازہ کھولا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ لائٹ جلاتے ہوئے انہوں نے زیان سے کہا۔

وہ اس وقت سینٹر ٹیبل پر جام، آئس کیوب اور ــــــ بوتلیں سجائے بیٹھا تھا۔ ایک جام ختم ہو چکا تھا۔ دوسرا ابھی اس نے ہونٹوں سے لگایا ہی تھا جب گلناب عالم کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ دھیرے سے منہ موڑ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ گلناب عالم اس وقت اونچی ہیل پر چوڑی دار پاجامہ اور باریک کپڑے کی کام دار فراک پہنے ہوئے تھیں۔ فراک بیس کلیوں کی ہونے کے باوجود بھی کمر اور جسم پر انتہائی تنگ تھی اور بازو عریاں تھے۔

"ڈرائیور سے کہہ دیں۔" وہ گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

"وہ بیمار ہے ورنہ میں تم سے کہتی ہی کیوں؟" وہ اپنی چوڑیوں کو ترتیب دینے لگیں۔

"تو مت جائیں۔" بیڈ کی سائیڈ سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے حل بتا دیا۔

"کیسے نہ جاؤں۔" ان لوگوں نے اتنی چاہت سے بلایا ہے۔

"یہ ایسا لباس پہن کر جائیں گی آپ وہاں۔؟" وہ بھنویں جوڑتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیوں۔؟ اس میں کیا خرابی ہے۔ لیڈیز فیشن کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔" وہ اترائیں۔

"وہاں کی سوسائٹی۔"

"تب اٹھو۔ دیر ہو رہی ہے۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے وہ اسے اٹھانے لگیں۔

"تم گاڑی میں باہر ہی انتظار کرنا۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گی۔ اتنی دیر تم سانگ سن لینا۔" انہوں نے اس کی بوریت کا مسئلہ بھی سلجھا دیا۔ زیان نے چارو ناچار اٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے چابیاں اٹھائی تھیں۔

عاصمہ کے گھر کے باہر گاڑی روکنے کے بعد اس نے ممی سے پھر سے جلدی واپس آنے پر اصرار کیا اور خود آہستہ آواز میں گانے لگا کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے اپنی آنکھیں موند لیں۔ آج دن میں ہوا واقعہ ماضی کا حصہ نہیں بن رہا تھا۔ چند لمحوں بعد جیسے کسی ــــ قوت نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا تھا۔ سامنے والی گلی سے اسے نگار آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ جسے پہچاننے میں اسے ایک سیکنڈ بھی بمشکل لگا تھا۔ گانے کی آواز یک لخت تھمی تھی اور اکلوتے جام کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

نگار گھر کے اندر داخل ہوئی تو وہ بھی بلا سوچے سمجھے اندر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ کی شادی کے بعد وہ ساتویں دن یونیورسٹی آئی تھی۔ اپنی پینالٹی کے سارے دن اس نے

یونیورسٹی سے غیر حاضر رہ کر ہی گزار دیے تھے۔ آفس ٹی تو سب نے ہی اسے خیر مقدمی نظروں سے دیکھا۔ بہت سے کام اس کے منتظر تھے۔ وہ بھی تازہ دم ہو کر آئی تھی۔ اس کے پیریڈ میں بھی ابھی دیر تھی۔ بیگ سائیڈ پر ڈال کر وہ پوسٹر لکھنے لگی۔

مصباح اور زارا کب اندر آئے اسے پتا ہی نہ چلا۔ وہ تب چونکی جب سفید چارٹ کی سطح پر ایک سایہ کافی دیر جما ہی رہا۔ وہ پیچھے پلٹی تو وہاں مصباح اور زارا کھڑے تھے۔ اس کی مسکراہٹ اور سلامتی آدھے راستے میں ہی تھم گئی۔ مصباح کی آنکھوں میں کچھ تھا جسے وہ پڑھ نہیں پائی تھی۔ اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔

"تمہیں احتیاط کرنی چاہیے تھی۔ اسے جیسے ہی موقع ملا اس نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔" مصباح نے کہا۔

وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ زارا نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

"بزرگوں نے ٹھیک کہا ہے کہ لڑکیوں کو اتنا بدزبان نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ پھر وہ کسی بھی بد کو بد نہیں سمجھتیں۔"

زنانے دار تھپڑ کی طرح مصباح کے یہ الفاظ اس کے کانوں میں اترے تھے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ وہ نگار کے منہ سے کوئی بھی جملہ نکلنے سے پہلے باہر نکل گیا۔ زارا وہیں ہی کھڑی رہی۔

"تم کچھ بتاؤ گی؟" اپنی آواز کو وہ زارا کے آگے پست نہ رکھ سکی۔

"تم نے نوٹس بورڈ نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔"

"تو چل کر دیکھ لو۔" زارا کے ساتھ ہی وہ نوٹس بورڈ تک آ گئی۔ جہاں بہت بڑے سائز کا پوسٹر پن اپ تھا جس کی اوپری سطح پر تو بڑے حروف میں واضح کر کے لکھا گیا تھا۔ "دین کے ٹھیکیداروں کی اصلیت" اور نیچے جو کچھ تھا اس پر نظر پڑتے ہی پوری یونیورسٹی ایک جھٹکے میں نگار کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی۔

نیچے لاتعداد تصویریں چسپاں تھیں جن میں ہر ایک میں وہ اور حسن نظر آ رہے تھے۔ اتنے قریب کہ اسے خود دیکھ کر شرم آ گئی۔ لمحے میں اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا تھا۔

"یہ کیا ہوا؟" وہ بے ہوش ہو کر گرنے کے قریب تھی۔ وہ تصویریں عاصمہ کی مہندی اور بارات والے دنوں کی تھیں۔ جس میں حسن نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی کر رہا تھا اور کچھ تصویروں کے زاویے تو اس قدر غیر مناسب تھے کہ اس کا دل چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

"کیا تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ وہاں زیان کے سپورٹر میں سے بھی کوئی موجود ہے۔" زارا پوچھ رہی تھی اور وہ جیسے کچھ بھی سن نہیں پا رہی تھی۔

پوسٹر جھپٹ کر اتار کر اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہا تھا۔ آس پاس سے گزرتے لڑکے لڑکیوں نے اسے ایسا کرتے دیکھا تھا اور کیا خوب نظروں سے دیکھا تھا۔

"کس کس پوسٹر کو پھاڑو گی نگار۔" زارا تاسف سے بولی۔

اور شائیں شائیں کرتے اس کے دماغ میں کرنٹ کی طرح گلناب عالم کا خیال آیا۔ وہ دونوں دن انہیں وہاں دیکھ چکی تھی اور یہ کام یقیناً زیان کے کسی سپورٹر کا نہیں بلکہ خود زیان کا ہی تھا۔ غصے سے اس کے جسم کا تمام خون اس کی رگوں میں لاوے کی صورت بہنے لگا تھا۔

"پریشان مت ہو نگار۔" زارا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "مصباح وائس پرنسپل سے بات کرنے گیا ہے۔ جلدی ہی تمام پوسٹرز ہٹا دیے جائیں گے۔"

"اور لوگوں کے ذہنوں سے ان تصویروں کو کون نکالے گا۔" وہ سوچنے لگی۔

"ذاتیات پر اترنے کی پہل تم نے کی تھی نگار۔ معذرت کے ساتھ۔ پر اب اس چیز کو برداشت کرو۔" زارا جوں توں گھسیٹ کر اسے کینٹین

تک لے آئی۔

"تم بیٹھو۔ میں تمہارے لیے جوس لاتی ہوں۔" زارا نے کہا۔ وہ جوس لینے جا نہ سکی۔ کینٹین کے شور شرابے میں کچھ نیا پن تھا جس کا اندازہ دونوں کو ہی بیک وقت ہوا تھا۔

وہاں رش معمول سے کافی زیادہ تھا جیسے وہاں کوئی جشن منایا جا رہا ہو اور وہاں واقعی جشن منایا جا رہا تھا۔ زیان عالم کی طرف سے اس کے سپورٹرز اور نان سپورٹرز کو بھی ہر چیز فری فراہم کی جا رہی تھی۔ آج کے تازہ ترین واقعے کی کامیابی کی خوشی میں۔۔۔ اسی خوشی میں ہر طرف افراتفری سی پھیلی تھی۔ نگار کا غصہ ٹھنڈا ہونے کے بجائے مزید بڑھ گیا۔ چنگاری نے جیسے آگ پکڑی۔ زارا نے زبردستی اسے اٹھانا چاہا' لیکن وہ اپنی جگہ پتھر بنی ہوئی تھی۔ دونوں داخلی دروازے تک پہنچیں تو زیان اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ پہلے گلاسز اتار کر شرٹ کے کھلے گریبان میں لگائے اور پھر دونوں ہاتھ دائیں بائیں دیوار پر ٹکائے۔

"آپ کچھ کھا کر نہیں جائیں گی مس نگار۔۔۔؟" وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔

"راستہ چھوڑو میرا زیان۔۔۔" اپنی آواز کو نرم رکھنے کی ساری کوشش بے کار ثابت ہوئی۔

"سب کچھ فری ہے۔"

"ایک کپ چائے تو پی لو یار!" یشب کے ہاتھ سے کپ پکڑ کر اس نے نگار کی طرف بڑھایا۔ "یہ تمہارے اعصاب کو سکون دے گی۔" آگے جھک کر رازداری سے کہا گیا۔ افراتفری کا شکار اور گھنٹوں میں بٹی ساری کینٹین لمحوں میں اکٹھی ہو گئی تھی۔ ایک ہجوم نگار کے پیچھے آکھڑا ہوا تو ایک زیان کے پیچھے۔

"حساب برابر ہو گیا نگار۔۔۔ غصہ تھوک دو اب۔۔۔ یہ کپ ہماری نئی دوستی کا آغاز ہے۔۔۔ ایک سچی مخلص دوستی۔" اس کا لفظ لفظ زہریلا تھا۔

نگار نے دائیں بائیں دیکھا اور تماشا ختم کر دینے کی غرض سے کپ تھام لیا۔ زارا بھی آگے ہوئی جب زیان نے پھر دونوں ہاتھ کھول کر ان کا راستہ روک لیا۔

"بس ایک شرط اور۔۔۔ آخری التجا۔۔۔ لاسٹ وش۔۔۔" وہ سپاٹ چہرے سے اس کو دیکھے گئی۔

"وہ فقرہ دوبارہ بول دو نا۔۔۔ تمہارے منہ سے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ جو تم نے اس رات اس لڑکے سے کہا تھا کہ۔۔۔ چھوڑ بھی دو ہاتھ 'کوئی دیکھ لے گا۔"

چھن کی آواز کے ساتھ کینٹین کے سارے شیشے ٹوٹ کر اس پر آگرے تھے۔ سماعت نے ذہن پر ہتھوڑے برسائے تھے اور لمحوں میں نگار کی دونوں آنکھیں ابل کر باہر کو آگئی تھیں۔ زیان کے پیچھے کھڑے گروپس میں کھی کھی ہوئی تھی۔ اس کے دوست سدیم اور یشب تو پیٹ کھول کر ہنسے تھے۔

"اف وہ فقرہ۔۔۔! پلیز بول دو نا۔۔۔ چھوڑ دو ہاتھ 'کوئی دیکھ۔۔۔"

بھاپ اڑاتی گرم چائے کا کپ نگار نے اس کے منہ پر دے مارا۔ گرم سیال زیان کے منہ پر گرا تھا۔ زیان کی زبان ایک دم بند ہوئی۔

دونوں طرف کے مجمع کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ سنبھل کر زیان نے ایک تھپڑ نگار کے منہ پر مارنا چاہا تھا اور اس کا ہاتھ مصباح کے ایک حامی نے پکڑ لیا تھا۔ پھر تو دونوں طرف کی بھیڑ میں جیسے بجلی کے کوندے بھر گئے۔ دونوں حریف آمنے سامنے تھے۔ دونوں میں زبردست قوت موجود تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ آوازیں' گالیاں' توڑ پھوڑ' شور شرابا' ہنگامہ' کینٹین میں موجود تمام چیزیں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ اور کھانے پینے والی اشیا فرش پر بکھر گئیں۔

لاتیں' مکے' گھونسے' ہر چیز سے وار کیا جا رہا تھا۔ بہت سوں کے سر پھٹ گئے تھے۔

پھر یہ تماشا بڑی دیر بعد تھما تھا۔

☼ ☼ ☼

چنگیزی نارنجی کے بلوری جام میں برف کے ٹکڑے ڈال رہا تھا۔ ایک' دو' تین اور آج اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے خلاف معمول چوتھا بھی ڈال دیا۔ پھر کاگ ہٹا کر جام کو بھرنے لگا اور ڈرتے ڈرتے

اپنے مالک کو دیکھا جس کی آنکھیں میز پر جمی تھیں۔ گلاس بھر کر چنگیزی نے اپنے مالک کی طرف بڑھایا۔ احتیاط کے باوجود بھی وہ اس قدر بھر گیا تھا کہ چھلکنے کے بالکل قریب تھا۔

زیان نے گلاس نہیں پکڑا تھا۔ وہ ٹیبل کی سطح سے نظریں ہٹا کر چنگیزی کو گھورنے لگا۔ اس کے چہرے پر گرم چائے سے جلنے کے نشان تھے۔ جو دوپہر تک سرخ تھے مگر رات ہوتے ہوتے کالے ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کسی نے گرم لوہے کی سلائیاں پھیر دی تھیں اور اس کے چہرے کی رگیں غصے کے باعث پھولی ہوئی تھیں۔

"چنگیزی!" وہ بولا۔

"جی مالک!"

"تیزاب پھینکنے کا فیشن اتنا پرانا کیوں ہو گیا ہے۔" اس نے پوچھا تو چنگیزی اندر ہی اندر تھر تھر کانپنے لگا۔

"آپ تھوڑی دیر آرام کریں مالک۔"

"چنگیزی۔"

"جی مالک۔"

"چائے اور ـــــ میں سے کون سی چیز زیادہ گرم ہے؟" وہ اس کی طرف ایسے دیکھنے لگا کہ اگر اس نے جواب نہ دیا تو وہ اسے قتل کر دے گا۔ اس سے دگنی عمر کا چنگیزی خوف زدہ ہو گیا۔

"چائے بدن کو گرمی دیتی ہے مالک۔ لو۔ اور ـــــ روح جھلساتی ہے۔" نظریں جھکا کر اس نے کہہ دیا۔

زیان کی طرف بڑھا اس کا ہاتھ دکھنے لگا تھا۔ وہ اسے ایسے دیکھتا رہا جیسے اس کی بات پر غور کر رہا ہو پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے گلاس پکڑ لیا، لیکن ہونٹوں سے نہیں لگایا بلکہ گردن پیچھے ڈال کر اور بھرے گلاس کو اوپر لے جا کر اپنے چہرے پر گرانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر چنگیزی کی جیسے روح فنا ہو گئی۔

"مالک۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ مالک۔" وہ آگے بڑھا، لیکن زیان نہ رکا۔

"مجھے روح کو جھلسانا ہے چنگیزی۔ مجھے نہ روک۔ مجھے روح کو جھلسانا ہے۔" اس کا چہرہ، بال اور شرٹ بھیگنے لگی تھی۔ زیان نے سارا گلاس اپنے اوپر خالی کر دیا۔ پھر اسے دیکھنے کے بعد فرش پر دے مارا۔ چنگیزی گھبرا کر پیچھے ہوا۔ خالی جام نے ٹوٹتے وقت بھرپور ماتم کیا تھا۔

"لائٹر پکڑ کر میرے چہرے کے زخموں کو اور جلا دے چنگیزی۔! یہ زخم اتنی جلدی ختم نہیں ہونے چاہئیں۔" زیان نے چلاتے ہوئے حکم دیا تھا اور چنگیزی کو وہ آواز اور وہ چہرہ بالکل اجنبی لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

الیکشن ملتوی ہو گئے تھے۔ غیر معینہ مدت کے لیے۔ جیسا کہ سب کو امید تھی اور جس کا اس دن کے ہنگامے کے بعد تو ہونا لازمی ہی تھا۔ وائس پرنسپل کی طرف سے دونوں پارٹیوں کو سخت الفاظ میں وارننگ دی گئی تھی جس پر زیان کے کارندوں نے کافی شور مچایا تھا۔ وہ اپنی پارٹی کے خلاف ایک بھی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا موقف تھا کہ پہل مصباح کے سپورٹرز نے کی ہے۔ بہرحال جو بھی تھا۔ یہ معاملہ ایسا بھی نہیں تھا کہ باقاعدہ بینچ بٹھایا جاتا یا نئے سرے سے تحقیقات کرائی جاتیں۔ اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ غلطی پر کون تھا۔ اس لیے کینٹین میں ہونے والے نقصان کا ہرجانہ دونوں پارٹیوں کو آدھا آدھا بھرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

مصباح نے وہ ہرجانہ خاموشی سے ادا کر دیا تھا۔ اس نے نگار سے اس حوالے سے بات نہیں کی تھی۔ وہ اس کے ساتھ سرد مہری کا رویہ اپنا رہا تھا۔ بے شک نگار نے وہاں کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اس کی وجہ نگار ہی تھی۔

سرسید احمد خان ہال میں ہوئے جلسے، حسن کے ساتھ اس کی تصویروں والے پوسٹرز اور آخر میں کینٹین والے واقعے نے اس کی تھوڑی بہت عزت کو بھی ختم کر دیا تھا۔ وہ جہاں جہاں سے گزرتی اسے خاص نظروں سے دیکھا جاتا۔ تمسخر کے ساتھ، طنز سے یا کسی

اور طرح سے۔۔۔ اسے دیکھا ضرور جاتا۔۔۔ شاید وہ پوری یونیورسٹی کی واحد لڑکی تھی جس کا نام تمام لڑکے لڑکیوں کے علاوہ اسٹاف کو بھی پتا چل گیا تھا۔ اس کے باعث مصباح کی پارٹی بھی بدنام ہوئی تھی۔

گروپس کے لڑکوں کے ساتھ ساتھ رویے بھی بدلے تھے۔ مصباح نے اس سے بات کرنا بند کی ہوئی تھی۔ وہ اندر سے سخت ناراض تھا۔ یہ بات نگار جانتی تھی۔

زیان کا کچھ اتا پتا نہیں تھا وہ پچھلے دس دنوں سے غائب تھا۔ اس کی وجہ سے اس کے سپورٹرز بھی پریشان تھے۔ تاہم اس کی غیر موجودگی میں سارے کام سدیم' یشب' آصفہ اور وجیہہ بخوبی سنبھال رہے تھے۔ خود مصباح کو بھی زیان کا انتظار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اسے خوش اسلوبی سے ختم کر دیا جائے۔

گزرے وقت کو کوئی واپس تو نہیں لاسکتا تھا لیکن آنے والے وقت کی منصوبہ بندی کر لینے سے یقیناً" بہتری ہو سکتی تھی۔ مصباح اپنے سپورٹرز کی طرف سے کیے جانے والے جھگڑے پر معافی مانگنے کو بھی تیار تھا لیکن زیان کے اتنے دنوں کی عدم موجودگی نے اس معاملے کو مزید پیچیدہ کر دیا تھا۔ سدیم اور یشب بھی اس کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر تھے۔

پھر گیارہویں دن وہ نگار کو نظر آیا۔

اپنی اسائنمنٹ کی فائل تھامے وہ سائنس بلاک کی پچھلی طرف سے نکل کر پارکنگ والے حصے سے باہر جارہی تھی جب کسی ہاتھ نے اسے اندر کھینچ لیا۔ سائنس بلاک کی بیرونی دیواروں کو خوب صورتی کے لیے قدرے باہر کو نکال کر گولائی کی شکل میں موڑا گیا تھا۔ زیان انہیں گولائیوں میں سے ایک کے اندر چھپا ہوا تھا۔ نگار کو اندر کھینچ کر اس نے ایک نم رومال اس کی ناک پر رکھا تھا۔ کلوروفام کی عجیب کڑوی سی خوشبو اس کی سانسوں میں گھلی تھی اور اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ آنکھیں پھاڑے روشنی میں اس نے زیان کو دیکھا اور ہر بات اس پر واضح ہو گئی۔

اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ اور پاؤں چلائے لیکن زیان کے غصے اور مردانگی کے آگے وہ بے بس اور کمزور تھی۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن نے کام کیا اور اس نے پاؤں اٹھا کر اپنے جوتے کی ہیل زیان کی ٹانگ پر دے ماری۔ جو اس کی پنڈلی پر بری طرح لگی تھی۔ زیان کراہ کر پیچھے ہوا تھا۔ نگار نے ناک پر سے رومال ہٹا کر مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ درد سے تڑپتا زیان جھٹکے سے پھر اس کے قریب ہوا اور اس بار اس نے اپنی کلائی نگار کی گردن پر رکھی۔۔۔ اسے دیوار سے لگایا اور کلائی کو اس کی گردن پر دباتا چلا گیا۔

"تم ایک گھٹیا خون ہو۔" نگار بمشکل بولی۔ "ایک بدکار عورت کے بدکار بیٹے۔۔۔ تم سے ایسی فعل کی امید تھی مجھے۔" نگار چپ نہیں رہی تھی۔ اس نے کانٹے دار جملے اس کی طرف اچھالے تھے۔

زیان نے دانت پیس کر جھٹکے سے پھر زور بڑھایا تھا۔ اسے اس لڑکی پر مزید غصہ آیا تھا جو کسی صورت زیر ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

"آج کے بعد زمانہ تمہیں بتائے گا کہ کون گھٹیا ہے۔" اس کے مضبوط ارادے اس کی زبان سے نکلے۔

"اچھا' کیا واقعی۔۔۔؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ طنز سے ہنسی' اس کے سوال میں تمسخر تھا۔ زیان کو مزید طیش آیا۔

"اتنا کمزور سمجھ لیا ہے تم نے مجھے۔"

"تم کتنی مضبوط ہو آج کے بعد پتا چل جائے گا۔" وہ بھی غصے سے غرایا۔ دونوں کی نظریں چار تھیں اور دونوں جانتے تھے کہ وہ دونوں کیا ہیں۔ اچانک نگار نے منہ نیچے کر کے زیان کی کلائی پر دانت گاڑ دیے تھے۔ پوری طاقت سے۔ وہ تڑپ کر چلایا تھا۔ پھر پیچھے ہوا تھا۔

تب ہی باہر سے ایک سیٹی کی آواز آئی۔ نگار اس اشارے کو خوب سمجھی تھی۔ زیان کو دھکا دے کر وہ باہر کی طرف لپکی۔ زیان نے تیزی سے اسے پھر قابو کرنا چاہا تھا۔

وہ گولائی والے حصے سے باہر نکل آئی۔ زیان نے

اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سدیم اور ریشب بھی قریب کھڑی گاڑی میں سے باہر نکل آئے تھے۔ جس کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دونوں نگار کے اس طرح باہر نکل آنے پر حیران تھے۔ نگار سے اپنا ہاتھ۔ چھڑایا نہ گیا تو اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑی فائل کھینچ کر زیان کے منہ پر دے ماری تھی۔ کاغذ نکل کر ہوا میں بکھرے تھے۔ زیان جیسے اب ہر حملے کے لیے تیار تھا۔ وہ اس سے اپنا ہاتھ چھڑا نہ سکی۔ زیان اسے زبردستی کار کی طرف لے کر جا رہا تھا تب ہی وہ چلانے لگی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ سب۔۔۔؟" پروفیسر صغیر ربانی کی آواز گونجی۔ وہ پھٹی آنکھوں سے سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ ضعف عمری کے باعث ان کا وجود لڑکھڑانے لگا تھا۔ حیرت سے وہ باری باری دونوں کو دیکھنے لگے۔ زیان نے نگار کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"میں پوچھ رہا ہوں۔۔۔ یہاں کیا ہو رہا تھا۔" وہ کسی حد تک تیز لہجے میں بولے۔

"سر یہ میرے ساتھ بدتمیزی۔۔۔"

"سر یہ دیکھیے! اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔" غصے کے باعث زیان کے منہ سے الفاظ پورے نہیں نکل رہے تھے۔ اس نے اپنی کلائی آگے کر کے پروفیسر کو دکھائی۔ جس پر نگار کے دانتوں کے بڑے واضح نشان تھے۔ پروفیسر صغیر ربانی نگار کو دیکھنے لگے۔

"یہ سچ کہہ رہا ہے نگار؟"

"سر۔۔۔ یہ۔۔۔"

"نگار! تم معافی مانگو۔۔۔ اسی وقت زیان سے۔" پروفیسر نے اسے درمیان میں ہی ٹوکا تھا۔

"سر لیکن۔۔۔" وہ حیرانی سے پروفیسر کو دیکھنے لگی۔

"میں کہہ رہا ہوں معافی مانگو تم اسی وقت زیان سے۔" نگار نے غصے سے زیان کو دیکھا تھا۔ زیان بھی ان ہی تیوروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے ہلکے سے کہہ دیا۔ وہ طنز سے مسکرایا۔

"مجھے سنائی نہیں دیا۔"

"آئی ایم سوری۔" وہ چلائی تھی۔

"زیان بیٹا اب تم گھر جاؤ۔ خون گرم ہو تو غلط فہمیاں آگ بننے میں وقت نہیں لگاتیں۔۔۔ لیکن نگار نے تم سے معافی مانگ لی ہے۔۔۔ تو اب تم بھی اسے معاف کر دو۔" پروفیسر صغیر ربانی نے پیار سے کہا تھا۔

زیان ایک لمحے نگار کو گھورتا رہا تھا پھر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا تھا۔ نگار کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا سر۔۔۔ غلطی اس کی تھی۔" زمین سے کاغذ اکٹھے کر کے وہ فائل میں رکھتے ہوئے پروفیسر سے شکوہ آمیز لہجے میں بولی۔

"مجھے خوب علم ہے کہ غلطی کس کی تھی۔۔۔ تم نے دیکھا نہیں اس کی آنکھوں کو۔۔۔ انتقام کا کالا موتیا آنکھوں میں اتر آئے تو بہت زیادہ خوں بہا ادا کرنا پڑتا ہے۔ سمجھیں؟" نگار نے بے یقینی سے اپنے ہر دل عزیز پروفیسر کو دیکھا۔

وہ تجربہ کار تھے۔ صحیح بات کہہ رہے تھے۔ جو اپنی بے عزتی کا ملال تھا وہ اسی بات نے دل سے نکال دیا۔

"آج میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑنے چلوں گا۔" وہ بولے۔

"جیسا آپ کہیں۔" نگار نے گردن جھکا کر اپنی رضامندی ظاہر کی اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"تم گھٹیا خون ہو۔"

"ایک بدکار عورت کے بدکار بیٹے۔" ان جملوں کی بازگشت کافی دیر سے کمرے میں گونج رہی تھی۔ زیان نے کھڑکیوں کے پردے نوچ ڈالے تھے۔

"نگار۔" شعور میں ہوتی بازگشت سے کہیں زیادہ تیز آواز میں وہ چلایا تھا۔ شیلف میں رکھے مہنگے ڈیکوریشن پیسز کو اس نے ہاتھ مار کر توڑ ڈالا تھا۔ کرسٹل ٹیبل۔ ٹی وی کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ ٹوٹتی چیزوں کا شور تھمنے میں نہیں آ رہا تھا۔

"مالک۔" چنگیزی بھاگا بھاگا کمرے میں آیا۔ ایک صرف اس کی ہی ہمت تھی زیان کے کمرے میں آنے

کی۔۔۔ زیان نے اسی وقت کرسٹل کا واحد گلدان کھڑکی کے شیشے پر دے مارا تھا۔ اور شور' کان پھاڑ دینے والا تھا۔ پھر زیان دھم سے بیڈ پر گرا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام پکڑ لیا۔

چنگیزی تھوڑی دیر وہیں کھڑا رہا پھر باہر نکل گیا۔

گلناب عالم اپنی دوستوں کے ساتھ تھائی لینڈ کے ٹور پر گئی ہوئی تھیں۔ پانچ دن بعد ان کا فون آیا تو چنگیزی نے انہیں ساری بات بتادی تھی۔

"کیا ہوا زیان کو۔" وہ بری طرح گھبرا گئیں۔

"پتا نہیں۔۔۔ بس آپ جلدی سے آجائیں بیگم صاحب۔ چھوٹے مالک اپنے حواس میں نہیں ہیں۔" چنگیزی نے گھبراتے ہوئے کہا۔ اور گلناب عالم اگلے ہی دن چلی آئیں۔

زیان اپنے بیڈ پر اپنے دونوں بازو لپیٹے ان میں اپنا چہرہ چھپائے بیٹھا تھا۔

"زیان! میرے بیٹے! کیا ہوا؟" گھبراہٹ' پیار اور بے چینی سے بولتی گلناب عالم اس کے پاس بیٹھی تھیں۔ زیان نے بازوؤں میں چھپا چہرہ نکال کر انہیں دیکھا تھا۔ اور پھر اپنے چہرے کا رخ بدل لیا تھا۔ گلناب عالم نے جینز کے اوپر تنگ شرٹ پہن رکھی تھی۔ اور اس طرح ایک دم سے بیٹھتے وقت ان کے اوپر کا ایک بٹن کھل گیا تھا۔ زیان کے رخ بدلے چہرے کی وجہ کو جان کر وہ جھجک کر رہ گئیں۔

"چنگیزی۔۔۔! رفعت سے کہو' وارڈ روب سے میری شال لائے۔" جتنی دیر شال کو انہوں نے اپنے گرد لپیٹ نہ لیا وہ خاموش بیٹھی رہیں۔ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کیا۔ وہ اپنے بیٹے کی ماں تھیں یا دوست وہ سمجھ نہ سکیں۔۔۔ یا اس ملے جلے رشتے نے کسی ایک رشتے کو بھی صحیح سلامت نہ رہنے دیا تھا۔ وہ سوچنے لگیں۔

"زیان بتاؤ۔۔۔ تمہیں کیا ہوا ہے میری جان۔۔۔" انہوں نے اسکا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ اور ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ زیان مرجھائے ہوئے پھول کی طرح اپنا رنگ اور خوشبو کہیں کھو چکا تھا۔

"تمہارے چہرے پر یہ نشان کیسے ہیں؟ مجھے بتاؤ زیان! ان دنوں میں کیا ہوا ہے؟"

"کیا ہوا ہے؟" وہ خلاؤں میں دیکھنے لگا۔

"مجھے محبت ہو گئی ہے ممی۔۔۔!" اس نے انکشاف کیا۔ گلناب عالم حیرت سے اسے دیکھتی رہیں۔

"کون ہے وہ۔ جس نے تمہارا یہ حال کیا ہے۔۔۔ اس کا نام بتاؤ مجھے۔"

"آپ اس کے گھر جائیں گی نا ممی۔۔۔ میری خاطر۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ میں جاؤں گی میری جان' ضرور جاؤں گی۔۔۔ بتاؤ مجھے کون ہے وہ۔۔۔؟ کہاں رہتی ہے۔۔۔ مجھے اسے خریدنا بھی پڑا تو میں تمہارے لیے اسے خرید لاؤں گی۔"

"وہ ہماری پرانی ملازمہ کے محلے میں رہتی ہے ممی۔۔۔ نگار نام ہے اس کا۔" زیان نے کہتے ہوئے اور نگار کے بارے میں مزید بتاتے ہوئے اپنا چہرہ گلناب عالم کے سینے میں چھپالیا۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی میں ہونے والے الیکشن کی نئی تاریخ رکھی جاچکی تھی۔ اور تیاریاں پھر زور و شور سے شروع ہو گئی تھیں۔

مصباح نے پوسٹر بنانے کا کام نگار سے لے کر زارا کے حوالے کر دیا تھا۔ نگار کے حوالے سے ایک تجربہ ہی اس کی پابندی کے لیے کافی تھا۔ نگار نے اس حوالے سے احتجاج نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی یہ فیصلہ صرف مصباح کا نہیں بلکہ باقی تمام سینیئرز کا ہے۔ وہ دوسری سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی تھی۔

سائنس بلاک کے باہر ہوئے واقعے کے بارے میں اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ پروفیسر صغیر ربانی کو بھی اس نے منع کر دیا تھا کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتائیں۔ اس دن کے بعد سے وہ روز ہمیوں کے ساتھ یونیورسٹی آنے جانے لگی تھی۔ زیان کے حوالے سے یہ بات جان کر اسے تھوڑی حیرت ہوئی تھی کہ وہ الیکشن سے

دستبردار ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ اب یشب مصباح کے مدمقابل الیکشن میں کھڑا تھا۔ اس کی وجہ جو بھی تھی اس سے نگار کو یا کسی بھی سپورٹر کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ دونوں طرف کی اپنی اپنی تیاریاں جاری تھیں۔

اوپر تلے کے جو دو واقعات ہوئے تھے اس نے دونوں طرف کے ماحول کو کافی گرم کر دیا تھا۔ مصباح صلح جو نرم مزاج کا مالک لڑکا تھا۔ لیکن اس کے سپورٹر ایسے نہ تھے۔ اور ان ہی باتوں کی وجہ سے حالات ایسی کروٹ لے چکے تھے کہ الیکشن سے پہلے کچھ بھی اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے تک نگار یقینی طور پر مصباح کی جیت کے لیے پرامید تھی۔ لیکن اب وقت جیسے بدل چکا تھا۔ اب اگر ترازو زیان کی پارٹی کی طرف کا وزنی نہیں تھا تو جھکا ہوا مصباح کی طرف بھی نہیں تھا۔

ان ہی باتوں کو سوچتے سوچتے وہ گھر آئی تھی۔ جب اس نے گھر کی فضا میں کچھ نیا پن محسوس کیا تھا۔ برآمدے میں لگے جالی دار پردے کے پیچھے سے آتی تیز خوشبو اور مہذب نسوانی آواز نے جیسے اسے خوش آمدید کیا تھا۔ وہ تھکی ہوئی تھی اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی پر زلیخا بی نے آواز دے کر اسے وہیں روک لیا۔

"نگار بیٹی! ادھر آجاؤ۔" انہوں نے پیار سے پکارا تو وہ ادھر چلی گئی جہاں گلناب عالم عین دوپہر کے سورج کی طرح روشن ان کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ نگار کو ہزار میگاواٹ کا جھٹکا لگا۔

"ادھر میرے پاس آؤ بیٹی۔" گلناب عالم نے نگار کو پیار سے اپنے قریب بلایا۔

مگر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ کمرے میں نگار کے والد محمد خدا یار بھی بیٹھے تھے۔ نگار نے حرکت نہ کی تو زلیخا نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور اسے وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستگی سے ان کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

گلناب عالم نے شفون کی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ اور پلو کو کندھوں پر لپیٹ لینے کے باوجود بھی ان کے عریاں بازو اور پیٹ نمایاں ہو رہا تھا۔ محمد خدا یار نظریں جھکائے بیٹھے تھے۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی۔" انہوں نے نگار کی تعریف کی۔ نگار نے سوالیہ نظروں سے زلیخا بی کی طرف دیکھا تھا۔ جن کے چہرے پر کسی اور ہی خوشی کی کرنیں پھیلی ہوئی تھیں۔

"پھر میں ہاں ہی سمجھوں بھائی صاحب۔" وہ محمد خدا یار سے مخاطب ہوئیں۔

"جی۔ جی۔ کیوں نہیں۔۔۔" زلیخا بی جلدی سے بولیں تو محمد خدا یار نے انہیں ٹوکا۔

"ہمیں سوچنے کے لیے کچھ وقت دیں بیگم صاحبہ۔" نگار کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس کی چھٹی حس نے خطرے کا اعلان کر دیا تھا۔

"پلیز! مجھے بیگم صاحبہ تو نہ کہیں۔" وہ ہنسیں۔ "مجھے جواب ہاں میں ہی چاہیے۔" اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اب اجازت دیں۔" باقی سب بھی اٹھے تھے۔

"میں دو دن بعد پھر آؤں گی۔" انہوں نے جاتے جاتے پھر آگاہ کیا۔ زلیخا بی انہیں چھوڑنے باہر تک گئی تھیں۔ اور محمد خدا یار نگار کو دیکھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"یہ کس لیے آئی تھیں امی؟" اس نے کانپتی آواز سے زلیخا بی سے پوچھا۔ جیسے واقعی وہ کچھ بھی نہ سمجھی ہو۔

"تیرا رشتہ مانگنے۔۔۔ اپنے بیٹے زیان کے لیے۔" زلیخا بی نے اس کا ہاتھ دبا کر خوشی سے پاگل ہوتے ہوئے اس کے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی میں نیوکلیئر بم پھوڑا تھا۔ نگار چکرا کر گرتے گرتے بچی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)